نقوشِ داغ

مُرتّب
ساحر ہوشیارپوری

نقوشِ داغ

داغ اسکول کے ۱۰۹ شعراء

مُرتّب

ساحر ہوشیارپوری

ہریانہ اُردو اکادمی ۶۱۰ سیکٹر ۱۶ پنچکولہ، ہریانہ

- نقوشِ داغ ــــــ داغ اسکول کے ۱۰۹ شعرار کا کلام اور سوانح
- زیرِ نگرانی ــــــ کشمیری لال ذاکرؔ، سکریٹری
- باہتمام ــــــ ناشرؔ نقوی، ایڈیٹر
- کتابت ــــــ بقاءالرحمٰن
- تزئین ــــــ سیّد عبدالحنان
- تعداد ــــــ پانچ سو
- سالِ اشاعت ــــــ ۱۹۹۲ء

- سلسلہ ہریانوی ادب
- قیمت : ۶۲ روپئے

کشمیری لال ذاکرؔ سکریٹری، ہریانہ اُردو اکادمی نے ریشماں پرنٹرس چنڈی گڑھ سے چھپوا کر
دفتر ہریانہ اُردو اکادمی ۱۶/۶۱۰ پنچکولہ (ہریانہ) سے شائع کیا

ترتیب

دعائیہ

میرے لیے یہ انتہائی مسرت کی بات ہے کہ ہریانہ اُردو اکادمی نے نہ صرف ہریانہ ہی میں بلکہ ملک کے دوسرے گوشوں میں بھی اپنی ادبی خدمات کے حوالے سے ایک اہم مقام بنا لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اُردو کے لیے ہماری اکادمی جو اقدام کر رہی ہے وہ اس کی بساط سے کچھ زیادہ ہی ہے۔

مختلف موضوعات پر اکادمی اب تک ۲۵ کتابیں شائع کر چکی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ رواں سال کے دوران اکادمی اور بھی کئی اہم کتابیں شائع کر رہی ہے۔

"نقوشِ داغ" ہریانہ اُردو اکادمی کی ایک تاریخی اشاعت ہے۔ یہ کتاب استاد داغ کے SCHOOL OF THOUGHT کا ایک تعارف بھی ہے اور اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک یادگار دستاویزی اشاعت کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ "نقوشِ داغ" کو اُردو ادب کی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اس کی معقول پذیرائی ہوگی۔

بھجن لال

وزیر اعلا ہریانہ

صدر، ہریانہ اُردو اکادمی

اِبتدائیہ

ہریانہ میں اُردو زبان و ادب کی ترقی کے لئے گذشتہ چھ برس کے دوران ہریانہ اُردو اکادمی نے جو کام کئے ہیں وہ ہر اعتبار سے قابلِ قدر ہیں۔ اکادمی نے اس مُدّت میں تقریباً پچیس۲۵ کتابیں شائع کی ہیں جن میں اُردو کا پہلا ناول "ریاضِ دِل رُبا" بھی شامل ہے۔

ہریانہ کے سِلور جبلی سال کے دوران اکادمی نے اُردو کے عظیم شاعر اُستاد داؔغ کے مکتبۂ سخن سے متعلق "نقوشِ داؔغ" کی اشاعت کر کے ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ ایک ایسی دستاویزی کتاب ہے جو ادب کی تاریخ میں ایک سنگِ میل ثابت ہو گی۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح اس کتاب کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہو گی۔

اے بینرجی

اے۔ بینرجی (آئی۔ اے۔ ایس)
نائب صدر اکادمی
کمشنر، محکمۂ تعلیم، حکومتِ ہریانہ

پیش لفظ

ہریانہ اُردو اکادمی نے گذشتہ چھ برس کے دوران جو کتابیں شائع کی ہیں انہیں نہ صرف ہریانہ بلکہ پورے ہندوستان میں اہمیت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ مختلف یونیورسٹیوں میں اُردو ادب کے سلسلے میں جو تحقیقی کام ہو رہے ہیں۔ ان کے لیے بھی ہماری مطبوعات کو حوالوں کے طور پر لیا جا رہا ہے۔ جن میں اُردو کا پہلا ناول "ریاضِ دلربا" بھی شامل ہے۔

مطبوعات میں ہماری خصوصی توجہ اس طرف رہتی ہے کہ نادر و نایاب قدیم نسخوں کو بھی شائع کیا جائے اور آج کے جدید تحقیقی اور ادبی تقاضوں کے تحت بھی کتابیں شائع کی جائیں۔ ایسی ہی دستاویزی کتاب زیرِ نظر "نقوشِ داغ" ہے۔ یہ کتاب استاد داغؔ کے فکری اسکول کا ایک تعارف ہے۔ اس اسکول سے ہریانہ کے بہت سے شعراء متعلق ہیں۔ کتاب کو بزرگ شاعر جناب ساحرؔ ہوشیارپوری نے بڑی محنت سے ترتیب دیا ہے۔ جس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ "نقوشِ داغ" داغؔ شناسی میں ایک سنگِ میل ثابت ہوگی اور اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح اس دستاویزی کتاب کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

کشمیری لال ذاکر

سکریٹری

ہریانہ اُردو اکادمی

عرضِ مرتب

تاریخ اُردو ادب اِس امر کی شاہد ہے کہ متقدمین سے لے کر متاخرین تک ہر دور میں ایسی عظیم ادبی شخصیات، مشاہیرِ فن اور اساتذۂ سخن ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں جنھوں نے اردو زبان و ادب کو نکھارا، سنوارا اور معراجِ کمال تک پہنچایا ہے۔ عظمتِ فن اور کمالِ سخن کی مسند پر جلوہ افروز ہونے والی ان شخصیات میں میر و سودا، آتش و ناسخ اور ذوق و غالب ایسے نام ہیں جن کو دنیائے ادب نے شہرت کا تاج پہنایا اور جو آسمانِ ادب پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ بلاشبہ اِن حضرات نے اردو شاعری کو عروج آشنا کیا اور اسے چار چاند لگائے۔ لیکن اردو زبان و ادب کی توسیع و تبلیغ کے لیے اور مذاقِ شعر و سخن کو قبولِ خاص و پسندِ عام کے درجہ تک پہنچانے کے لیے جو خدمات داغ دہلوی نے سرانجام دی ہیں اُن کی مثال نہیں ملتی۔ فکر و تخیّل کی گہرائی و گیرائی کے اعتبار سے بھلے ہی داغ کو وہ درجہ حاصل نہیں جو مذکورہ بالا اساتذۂ فن کا ہے لیکن اردو ادب کی تاریخ میں جو شہرت اور مقبولیت اِس جہاں اُستاد کے حصّہ میں آئی ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکی۔!!

خدائے سخن میر تقی میرؔ کا یہ دعوے "مستند ہے میرا فرمایا ہُوا" یا "اول تو میں سند ہوں پھر یہ مری زباں ہے" اپنی جگہ برحق ہونے کے باوصف شاعرانہ تعلّی کا مظہر نظر آتا ہے اور ان کی ذاتی منفرد اور ممتاز شعری عظمتِ فن کی نشاندہی کرتا ہے۔ غالبؔ اپنی پروازِ فکر کی بلندی، تخیّل کی گہرائی اور مضمون آفرینی کے باوجود اپنی

اشکال پسندی، اور مفرس زبان کے سبب" اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے" کے اعتراضات کے ہدف بنے۔ اس کے برعکس داغ نے اپنی سلاستِ زبان و بیان سے اردو شاعری کو اس قدر ہر دلعزیز بنا دیا کہ ہر محفل خواص و عوام میں ان کے کلام کی نغمگی گونجتی نظر آتی تھی۔ اس کے پیشِ نظر اُن کا یہ قول" ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے۔" اس قدر جامع حقیقت سے ملبوس ہو چکا ہے کہ اس کی ہمہ گیر شہرت کے تحت اگر تصرّف کر کے اسے یُوں کر لیا جائے" سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے۔" تو نامناسب نہیں ہوگا۔

برِصغیر ہند و پاک میں سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں کے تحت اُردو زبان و ادب کے مُختلف موضُوعات پر سیمینار، کانفرنس اور مذاکروں کے انعقاد کا سلسلہ جاری ہے یہاں تک کہ بیرونی ممالک مثلاً امریکہ، کینیڈا، رُوس، برطانیہ، ماریشس اور جرمنی میں بھی سیمنار منعقد ہوتے رہتے ہیں جو اُردو کی عالم گیر شہرت و مقبولیت کا بیّن ثبوت ہیں۔

ڈاکٹر صلاح الدین اپنے مقالہ میں داغ کی شہرتِ سخن کا ذکر یُوں کرتے ہیں" اپنے معاصروں کے مقابلے میں شعری عظمت شاید داغ کے یہاں کم ہو لیکن اس کی شعری تربیت، شعری اسلُوب اور شعری دبستان کا فیض عالم عالم اور دُنیا دنیا پہنچا ہے۔۔۔۔۔۔۔ اپنی شاعری کے علاوہ اپنے شاگردوں کے ذریعہ وُہ جس طرح اثر انداز ہوئے یہ اُن کی خلّاق فعالیت کا کرشمہ ہے۔"

ڈاکٹر خلیق انجم کا بیان ہے" اُردو شاعری کو داغ کی سب سے بڑی دین یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنی شاعری اور اپنے شاگردوں کے ذریعے صحتِ زبان کے شعُور کو عام کیا اور عام فہم زبان میں شعر گوئی کی روایت کو فروغ دیا۔" ڈاکٹر صاحب نے غالب کا یہ قول بھی نقل کیا ہے" ذوق نے اردو کو اپنی گود میں پالا تھا۔ داغ اِس کو نہ فقط پال رہا ہے بلکہ اس کو تعلیم دے رہا ہے۔"

ڈاکٹر کامل قریشی داغ کی خدماتِ شعر و سخن کے ضمن میں یوُں اظہارِ رائے کرتے ہیں۔ تربیت کے طور پر یوں تو داغ سے قبل کے اساتذہ نے بھی اپنے تلامذہ کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہوگی لیکن جس طرح داغ نے بذاتِ خود ایک دبستان بن کر اپنے وابستگان

قدر وہ اپنے وابستگان کی شعری تربیت کے لیے دِلچسپی اور کاہش سے کام لیتے تھے وُہ دُوسرے اساتذۂ سخن میں نظر نہیں آتی۔ اُن کی اِس دِلچسپی اور کاہش کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں شاگردوں کے کلام پر خوُد اصلاح فرماتے تھے۔ کسی شاگرد کو خواہ وہ کتنا ہی لائق یا سینیئر ہو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ کسی کی غزل پر اصلاح کر سکے۔

ڈاکٹر خلیق انجم کی یہ رائے " داغ کی اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہوگی کہ اُنہیں براہِ راست مُغل بیگمات۔ شہزادوں اور شہزادیوں سے اردوئے معلّٰی سیکھنے کا موقعہ ملا اور فنِ شاعری کے رموز اُستاد ذوق نے سکھائے" بالکل درست اور برحق ہے۔ اِسی تربیت نے داغ کے زبان و بیان کو جِلا بخشی اور فکر و فن کو بلندی عطا کی۔ ان کی شاعرانہ صلاحیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بارہ سال کی عمُر میں جب نواب شیفتہ خاں شیفتہ کے یہاں مشاعرے میں غزل پڑھی تو ان کے درجِ ذیل مطلع نے سخن فہموں کو حیرت میں ڈال دیا ؂

شرر و برق نہیں، شعلہ و سیماب نہیں
کِس لیے پھر یہ ٹھہرتا دِل بیتاب نہیں

اُور تو اُور مرزا غالب بھی جو اپنے ہم عصر اساتذہ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے داغ کے مدّاح تھے۔ داغ خود فرماتے ہیں" ایک دفعہ شطرنج کی بازی ہارا۔ حسبِ معمُول مرزا صاحب بولے غزل سناؤ۔ مَیں غزل پڑھنا ہی چاہتا تھا کہ فرمایا میری کہی ہُوئی زمین ناامُیدی اِس کی دیکھا چاہیئے" میں جو غزل تُم نے کہی تھی وُہ سُناؤ۔ میں نے تعمیلِ حُکم کی۔ میرے اِس شعر پر ؂

اے فلک سامانِ محشر ہی سہی
اپنی آنکھوں کو تماشا چاہیئے

مرزا بولے، میرے خیال کی کتنی پیاری ترجمانی کی ہے، اور پھر اپنا شعر پڑھا ؎

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

اس کے بعد مَیں نے یہ شعر پڑھا ؎

تیرے جلوے کا تو کیا کہنا مگر
دیکھنے والے کو دیکھا چاہیئے

شعر سُن کر مرزا غالب اُف کر کے رہ گئے۔ مَیں نے فوراً یہ دُوسرا شعر پڑھا ؎

گو تری نظروں سے کل ہی گر پڑیں
آج تو کوئی ٹھکانا چاہیئے

میرے اس شعر پر غالب تڑپ گئے۔ بولے "ٹھہر"۔ زمین پر ہاتھ ٹیک کر اُٹھے۔ میرے گرد چار پانچ بار گھُومے۔ گھُومنے کی حالت میں نہایت دردناک آواز میں میرا یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔"

داغ کے لیے اس سے بڑھ کر اَور اعزاز کیا ہو سکتا تھا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب، صدرُ الصدُور مُفتی صدر الدین آزردہ اور مولوی امام بخش صہبائی جیسے لوگ اُن کے مدّاحوں میں تھے۔

داغ اور داغ کے متعلقین (تلامذہ اور پھر اُن کے تلامذہ) نے اُن تمام اصُولوں کو جو رموز و نُکاتِ فن کی آگاہی کے لیے لازم تصوّر کیے جاتے ہیں، ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ اُستادی و شاگردی کی روایت کا شمُار بھی انھی اصُولوں کی ذیل میں آتا ہے۔ حصولِ فن اور زبان دانی کے لیے یہ روایت بہت افادی حیثیت رکھتی ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی اِس کی پاسداری کی اہمیت اور ضرورت کا انکشاف حفیظ جالندھری کے درجِ ذیل شعر سے ہوتا ہے ؎

شاعری گو منحصر ہے طبعِ موزوں پر حفیظ
سیکھنے کو فن ضرورت ہے مگر اُستاد کی

ڈاکٹر اسلم پرویز نے اپنے مضمون میں لکھا ہے۔

"داغ کے اُستاد ذوق نے یہ نصیحت کی تھی کہ تمہارے دیوان کے جس نسخے پر میں نے اصلاحیں دی ہیں اِسے سنبھال کر رکھنا اور اسے وقتاً فوقتاً دیکھتے رہنا۔ زمانہ گزرنے کے بعد مشّاق ہو جاؤ گے۔"

اِس سے قبل بھی ایسی مثالیں ہمیں مل جاتی ہیں جو اِس روایتِ استادی و شاگردی کی اہمیت کی نشان دہی کرتی ہیں۔ غالب کا ابتدائی کلام دیکھ کر خدائے سخن میر تقی میر نے فرمایا تھا" اگر کوئی اُستادِ کامل مل گیا تو یہ یکتائے روزگار بنے گا ورنہ مہمل بکے گا۔"

یہ روایت اب رفتہ رفتہ معدُوم ہوتی جارہی ہے۔ نئی نسل اِس روایت کی قائل نہیں ہے۔ لہٰذا فنی رموز و نکات سے جو اعلےٰ شاعری کے لوازمات خیال کیے جاتے ہیں بے بہرہ نظر آتی ہے۔ شاگردانِ داغ اور اُن کے تلامذہ نے نہ صرف اُن پُرانی اقدار و روایات کے اثاثے کو ملحُوظ رکھّا اور اکتسابِ فن کے پیشِ نظر اس رشتۂ استادی و شاگردی کی روایت کو زندہ و تابندہ رکھّا ہے بلکہ اِس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ادب کی بدلتی ہُوئی اقدار کو اپنے تخیّل اور اظہار کے اسلوب و آہنگ میں بھی سمو دیا ہے۔

داغ کی پیدائش ۲۵ مئی ۱۸۳۱ء میں فیروز پور جھرکا (حال ریاست ہریانہ) میں ہُوئی۔ لیکن ابھی یہ عُمر کے چار سال بھی مُکمل نہیں کر پائے تھے کہ اِن کے والد نواب شمس الدین خاں کو اقدام قتل کے جرم میں پھانسی دے دی گئی اور اِن کی والدہ کو اہلِ خاندان کی باہمی رنجش اور نامساعد حالات کے زیرِ اثر فیروز پور جھرکہ کو خیرباد کہنا پڑا۔ کچھ مدّت دربدری کے ماحول کا شکار رہنے کے بعد ۱۸۴۴ء میں جب اِن کی والدہ ولی عہد مرزا فخرو کی تیسری بیوی کی شکل میں قلعۂ معلےٰ میں آئیں تو داغ بھی اِن کے ہمراہ آئے۔ یہیں اِن کی تعلیم و تربیت ہُوئی۔ حالانکہ قلعۂ معلےٰ میں رہنے کا ماحول انہیں زیادہ دیر نصیب نہیں ہو سکا اور ۱۸۵۶ء میں مرزا فخرو ولی عہد کی وفات کے بعد انھیں قلعۂ معلےٰ چھوڑنا پڑا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت قلعۂ معلےٰ ہی میں ہُوئی .... اور یہیں ان کی شاعری پروان چڑھی۔ اور اِسی قلیل مدّت میں انہوں نے اس زبان پر قدرت حاصل کرلی جسے وہ فخر سے دہلی کی شستہ و رفتہ زبان کہتے تھے اور اِس کے محاورات کو

لعل و یاقوت سے برتر سمجھتے تھے۔

یوں تو داغ کی شاعری اور شخصیت کے بارے میں اُن کے شاگردوں، مدّاحوں اور ناقدوں نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن جن فنی اقدار کے اثاثے کو اُن کے متعلقین نے محفوظ و ملحوظ رکھ کر فروغِ زبان کے لیے خدمات انجام دی ہیں اور جس شعری تربیت کے تحت وسعتِ زبان و ادب کے لیے اِن کے شاگرد اور ان کے تلامذہ کے تلامذہ چراغ سے چراغ جلاتے آئے ہیں اس کو ایک منظر نامہ کی شکل میں منصۂ شہود پر لانے کی کوئی صورت ابھی تک سامنے نہیں آئی تھی۔

اِس منظر نامہ کو عملی جامہ پہنا کر منظرِ عام پر لانے کا خیال ۱۹۸۴ء میں پیدا ہُوا۔ اِسی خیال کے تحت یہ طے کیا گیا کہ داغ خاندان کے وہ متعلقین (داغ کے شاگرد اور اُن کے تلامذہ کے تلامذہ) جو ۱۹۸۴ء تک بقیدِ حیات تھے، کے مختصر سوانحی حالات اور نمونۂ کلام کو یکجا کر کے منظرِ عام پر لایا جائے۔

چار سال کی مسلسل کوشش اور تگ و دو کے بعد ہم یہ منظر نامہ نقوشِ داغ (جلد اوّل) کے نام سے پیش کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو سکے ہیں۔

زیرِ نظر تذکرے میں شاگردانِ داغ کے کلام اور شعری ادب میں اُن کے مقام سے متعلق ہم اپنی جانب سے اظہار رائے کرنے کو جرأتِ نازیبا تصوّر کرتے ہیں۔ پدم شری ابوالفصاحت جوش ملسیانی (متوفی ۲۷ر جنوری ۱۹۷۶ء) داغ کے آخری جانشین تھے۔ اُن کا ایک مضمون بہ عنوان "داغؔ کے نامور شاگرد" ماہنامہ آجکل دسمبر ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا تھا لہٰذا ہم اِس مضمون کو دبستانِ داغ کے ماضی قریب کی آخری کڑی تصوّر کرتے ہوئے "نقوشِ داغ" جلدِ اوّل میں شامل کر رہے ہیں۔ یہ مضمون یقیناً قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

حضرتِ جوش ملسیانی جو بذاتِ خود داغ دہلوی کے اُن ممتاز تلامذہ میں سے ایک ہیں جو صحتِ زبان و ادب کے اعتبار سے داغ کے فکر و فن کی نمائندگی کرتے ہیں اور جنہوں

---

[۱] مطبوعہ ماہنامہ "آج کل" دہلی۔ شمارہ دسمبر ۱۹۶۶ء

نے فروغِ زبان وادب اور شعری تربیت کے اقدام کو آگے بڑھایا ہے۔ اور اُن کا ذکر اِس مضمون میں نہیں ہے لہٰذا اُن پر لکھا گیا جناب اسعد بدایونی کا مضمون[1] "جوش ملسیانی" شاملِ کتاب کیا جا رہا ہے۔

" نقوشِ داغ " میں صرف اُنھیں متعلقین کو شامل کیا گیا ہے جو ۱۹۸۴ء تک بہ قیدِ حیات تھے۔ لیکن دو مرحومین مولانا محمد علی جوہر اور سردار گنڈا سنگھ مشرقی کے ذکر کو بھی بہ وجوہ اہمیت و افادیت کا حامل سمجھ کر ابتدائی حصّے میں الگ طور پر شامل کر لیا ہے۔

مولانا محمد علی جوہر ذوالفقار علی گوہر (شاگردِ داغ دہلوی) کے چھوٹے بھائی تھے اور اُنھی سے استفادہ کرتے تھے۔ حال ہی میں جوہر صاحب کا ایسا کلام سامنے آیا ہے جو اُن کے کسی مطبوعہ مجموعۂ کلام میں شامل نہیں ہے لہٰذا یہ نو دریافت کلام مختصر تمہید و تعارف کے ساتھ یہاں درج کر دیا ہے۔

جناب گنڈا سنگھ مشرقی اردو کے اوّلیں سکھ شاعر تھے۔ داغ اور دبستانِ داغ سے متعلق جو کتابیں شائع ہوئی ہیں اُن میں مشرقی صاحب کا کہیں ذکر نہیں۔ یہاں تک کہ فہرستِ شاگردانِ داغ میں بھی اُن کا نام نظر نہیں آتا۔ مشرقی صاحب ۱۹۰۲ء میں داغ کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوئے اُن کا مفصّل تعارف اور نمونۂ کلام شامل کر دیا گیا ہے۔

داغ کی شخصیت اور شاعری سے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لہٰذا یہاں اُس کا دہرانا غیر ضروری تصور کیے جانے کے سبب صرف توقیتِ داغ اور داغ کے ۱۵۱ منتخب اشعار شاملِ کتاب کر دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

نقوشِ داغ کی اس جلد اوّل میں محض ایک سو نو (۱۰۹) شعراء کا تعارف اور کلام شامل ہو سکا ہے متعدد شعراء کا تذکرہ اُن کے مکمل حالات فراہم نہ ہو سکنے کے باعث ابھی مرتب نہیں کیا جا سکا۔ یہ کام جاری ہے اور امید ہے کہ تقریباً دو سو پچاس متعلقینِ دبستانِ داغ کا تذکرہ نقوشِ داغ کی جلد دوم کی صورت میں جلد ہی منظرِ عام پر آجائے گا۔

---

[1] "داغ کے اہم تلامذہ" از اسعد بدایونی۔ علی گڑھ۔ مطبوعہ ۱۹۸۶ء

زیرِ نظر جلد اوّل میں شامل حضرات کی ترتیب بزرگی عمر کے اعتبار سے ملحوظ رکھی گئی ہے اور اساتذہ کے شاگردوں کا ذکر اُستاد کے ساتھ ہی بہ اعتبار حروفِ تہجّی شامل کر دیا گیا ہے اُمید ہے کہ ترتیب کا یہ انداز بہ ہر طور مستحسن سمجھا جائے گا۔

اس دستاویزی تذکرہ نقوشِ داغ کی ترتیب میں مجھے بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا جن کا ذکر یہاں غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے مجھے کچھ ایسے حضرات کا تعاون میسّر ہو گیا جنہوں نے اِن دشواریوں کو آسان بنا دیا۔ اِن حضرات میں جناب ڈاکٹر عنوان چشتی اور برہمانند جلیس خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں جن کے عملی تعاون اور مفید مشوروں سے مجھے اس دستاویزی تذکرے کی تکمیل کے امرِ دشوار سے عہدہ برآ ہونے میں بہت مدد ملی۔ ڈاکٹر عنوان چشتی نے نہ صرف اپنے مشوروں سے نوازا بلکہ اس تذکرہ کے لیے تقریباً ۲۵، ۳۰ شعراء کے سوانحی حالات اور نمونۂ کلام بھی فراہم کرنے میں مدد فرمائی۔ مَیں اِن عزیزانِ گرامی کا بے حد ممنون ہوں۔ نیز ہیرانند سوزؔ اور اوم کرشن راحتؔ کی مخلصانہ معاونت کا بھی معترف و متشکّر ہوں۔

آخر میں مَیں ہریانہ اردو اکادمی کا بھی صمیمِ قلب سے شکر گزار ہوں جس نے ریاست کے عظیم فرزند اور عہد ساز شاعر داغؔ سے متعلق اس اہم کتاب کو اپنی اشاعتوں میں شامل کیا۔ مجھے یقین ہے کہ داغ شناسی میں یہ کتاب ایک اہم باب قرار دی جائے گی۔

ساحرؔ ہوشیارپوری

توقیتِ داغ

۲۵ مئی ۱۸۳۱ء

بدھ کے دن تقریباً دو بجے پیدا ہوئے۔ اصلی نام ابراہیم تھا۔ شادی کے بعد احباب انھیں نواب مرزا کہنے لگے۔
والدہ کا نام وزیر بیگم عرف چھوٹی بیگم تھا۔ جو محمد یوسف کشمیری نژاد، سادہ کار کی بیٹی تھیں۔

ان کے والد کے بارے میں احسن مارہروی فرماتے ہیں کہ نواب داغ۔ نواب شمس الدین احمد خاں کے فرزند تھے جو ریاست فیروز پور جھرکا، (جو اب ہریانہ میں ہے) کے نواب تھے۔ نواب شمس الدین کے دادا نواب عارف جان عالم گیر ثانی کے عہد میں ہندوستان میں وارد ہوئے تھے اور شمس الدین کے والد احمد بخش سرکارِ انگلشیہ کے خیر خواہوں میں سے تھے اور جنرل لیک نے انھیں انگریزوں کے خیر خواہ ہونے کی وجہ سے ریاست فیروز پور جھرکا عطا کی تھی۔
بعد میں نواب شمس الدین کو ولیم فریزر، جو ریزیڈنٹ اور کمشنر دہلی تھے، کے قتل کے سلسلے میں پھانسی کا حکم ہوا۔

۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء

نواب شمس الدین خاں جو اپنے بھائی احمد بخش خاں کی موت (۱۸۲۷ء) کے بعد والیٔ فیروز پور جھرکا قرار دیئے گئے تھے پھانسی پا گئے۔
بحث کا موضوع یہ رہ جاتا ہے کہ مرزا داغ واقعی نواب شمس الدین

کی اولاد تھے کہ نہیں۔

اس ضمن میں سب سے پہلے امیر مینائی نے انکشاف کیا تھا کہ مرزا داغ نواب شمس الدین کی اولاد تھے۔

مولانا غلام رسول مہر "غالب" (صفحہ ۵۳) میں فرماتے ہیں کہ نواب شمس الدین خاں کے نرینہ اولاد نہیں تھی صرف دو لڑکیاں تھیں۔

"نگار" اپریل ۱۹۵۳ء)

یہ درست ہے کہ نواب کی منکوحہ بیوی سے کوئی لڑکا نہ تھا، داغ کا نواب کے نطفے سے ہونا مسلمہ حقیقت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مرزا داغ کا قانونی اولاد ہونے کی حیثیت مشتبہ ہو۔ کیونکہ نواب شمس الدین خاں کی وفات کے بعد ان کی دیگر بیگموں نے تو ضبط شدہ ریاست کے خلاف چارہ جوئی کی تھی لیکن داغ کی والدہ کی طرف سے کوئی چارہ جوئی نہیں کی گئی۔

مالک رام صاحب فرماتے ہیں کہ داغ کی والدہ چھوٹی بیگم نواب شمس الدین خاں کی منکوحہ بیوی نہ تھیں۔

نواب شمس الدین کے علاتی بھائیوں نے بھی کبھی داغ کو اپنا بھائی تسلیم نہیں کیا ورنہ وہ داغ کی سرپرستی سے گریز نہ کرتے۔

مرزا داغ نے بھی عمر بھر اپنے آپ کو چھوٹی بیگم کا بیٹا کہلوانا ہی پسند کیا اور کہیں اپنے باپ کا ذکر نہیں کیا۔

۱۸۴۴ء

چھوٹی بیگم 'والدۂ داغ' نواب شمس الدین خاں کی وفات کے بعد صاحب عالم ولی عہد شاہ دہلی کی تیسری بیوی بن کر لال قلعہ میں پہنچیں وہیں داغ کی تعلیم کی بسم اللہ ہوئی۔ داغ جب لال قلعہ پہنچے تو کم عمر تھے۔ گو وہ اپنی تعلیم رامپور میں مولوی غیاث الدین مصنف غیاث اللغات سے شروع کرچکے تھے۔ لیکن باقاعدہ درس مولوی سید احمد حسین صاحب ہی سے لال قلعے میں لیا۔

۱۸۴۴ء — چھوٹی بیگم لال قلعے میں ۱۸۴۴ء میں پہنچی ہیں اور نواب شمس الدین ۱۸۳۵ء میں پھانسی پا گئے تھے۔ تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ داغ اس اثنا میں کہاں رہے۔

۱۸۴۰ء — روایت ہے کہ مرزا داغ کی پرورش چار سال تک عمدہ بیگم دہلی میں کرتی رہیں (جو ان کی والدہ کی بہن تھیں) اور جب یوسف علی خاں والئ رامپور ہوئے تو عمدہ خاں بھی اپنے ہمراہ مرزا داغ کو لے کر رامپور چلی گئیں۔ ان کا قیام رامپور میں بہت کم عرصے تک رہا تھا۔
اس درمیان داغ کی والدہ، چھوٹی بیگم، کے نواب ضیاء الدین نیّر رخشاں سے کچھ مدت تعلقات رہے۔ پھر ایک انگریز مارسٹن بلاک اور تراب علی کے گھر کی زینت بنی رہیں اور داغ اپنے ننھیال میں پرورش پاتے رہے

تعلیم — قلعے میں آکر مستقل طور سے مولوی احمد حسین صاحب والد میر غلام حسین صاحب المتخلص بہ شکیب (جو میر تقی میر کے شاگرد تھے) سے درسی کتابیں پڑھیں اور خوش خطی خوش نویس سید امیر صاحب پنجہ کش دہلوی سے سیکھی اور قلعہ میں رہنے کی وجہ سے مرزا داغ فنونِ سپہ گری میں بھی ماہر ہوئے۔ شہ سواری، بانک، تلوار چلانا، نشانہ بازی وغیرہ فنون میں بھی تعلیم پائی۔

۱۸۴۴ء — مرزا داغ کی ذہانت اور طبع کو دیکھ کر صاحبِ عالم ولی عہد بہادر نے ان کو خاقانئ ہند ذوق کا شاگرد کیا۔ اس وقت ان کا سن تیرہ یا چودہ برس کا تھا جب شاعری کا آغاز ہوا۔

۱۸۴۶ء — غالباً ۱۸۴۶ء میں نواب مصطفٰی خاں شیفتہ کے مشاعرے میں داغ نے بطور شاعر شرکت کی اور اپنی غزل پڑھی جس کا مطلع تھا۔

شرر و برق نہیں شعلہ و سیماب نہیں
کس لیے پھر یہ ٹھہرتا دلِ بے تاب نہیں

اس کے بعد یہ عالم ہو گیا کہ جہاں اچھے مشاعرے کا ذکر سُنا اور آپ پہنچے، انصاف پسند اور منصف مزاج طبیعتوں کے مالک سامعین نے سر آنکھوں پر بٹھایا۔ امام بخش صہبائی کے مشاعرے میں خوب خوب عزت پائی اور لال قلعے کے مشاعرے میں بھی کلام پڑھ کر بہادر شاہ ظفر کی نظروں میں جگہ پائی۔

۱۸۴۵ء — چھوٹی بیگم کے لال قلعے میں داخل ہونے سے ان کی بہنوں کی بھی رسائی لال قلعے تک ہوئی اور بہنوں کی تجویز کے مطابق مرزا داغ کی شادی خالہ زاد بہن فاطمہ بیگم سے کر دی گئی۔ داغ ان دنوں پندرہ برس کے تھے (احسن مارہروی کے مطابق ان کی بیگم کی وفات حیدرآباد میں ہوئی اور سید یوسف شریف صاحب کی درگاہ میں مدفون ہوئیں رام پور میں داغ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ احمد مرزا نام رکھا گیا۔ بچپن میں انتقال ہو گیا۔)

۱۸۵۶ء — مرزا فخرو ولی عہد سلطنت کی بعارضہ ہیضہ وفات کے بعد جہاں شہر دہلی میں شعر و شاعری کا ماحول پاش پاش ہوا وہاں والدۂ داغ چھوٹی بیگم کا سُہاگ بھی لُٹ گیا اور داغ پھر بے باپ کے ہو گئے۔

۱۸۵۷ء — بہادر شاہ ظفر کے رنگون بھیجے جانے کے بعد قلعہ خالی ہو گیا تو داغ کا دل گھبرایا۔ اور وہ آنولہ (ضلع بریلی) چلے گئے۔ وہاں حکیم ولایت علی نے ان کی خاطر داری اور مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ دِل کو سکون نصیب ہوا۔ تو ستمبر، اکتوبر ۱۸۵۷ء میں رام پور چلے گئے ——— ان دنوں والیٔ رامپور جناب یوسف علی خاں تھے انہیں کے دامن عاطفت میں انھوں نے پناہ لی۔

یہ کسی طرح پتہ نہیں چلتا کہ فاطمہ بیگم (اہلیہ داغ) کے علاوہ عمدہ بیگم، چھوٹی بیگم بھی ان کے ساتھ تھیں کہ نہیں۔ ہاں داغ کو نواب رامپور

نے بطور مہمان رکھا۔ عمدہ بیگم وظیفہ خوار تھیں لہٰذا داغ کے ایام بہ آرام گزرنے لگے۔

۱۸۶۶ء — مرزا داغ مہمان رہنے کے بجائے مصر تھے کہ ان کو دوسرے شاعروں کی طرح ملازم رکھ لیا جائے۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۶ء تک وہ بطور مہمان ہی رہے۔ لیکن اسی دوران میں ان کا دہلی آنا جانا بنا رہا۔ بلکہ کئی بار دہلی کی سکونت کافی لمبی بھی ہوتی رہی۔ ۱۴/اپریل ۱۸۶۶ء کو ان کا تقرر ۷۰ روپے ماہوار پر باقاعدہ ہو گیا۔

۱۸۷۲ء — نواب رام پور خلد آشیاں کے ہمراہ حج کرنے گئے یہ سفر نومبر ۱۸۷۲ء سے مارچ ۱۸۷۳ء تک رہا۔

۱۸۷۹ء — رام پور میں قیام کے دوران مُنی بائی حجاب پر عاشق ہوئے۔ بے نظیر باغ کے میلے میں مُنی بائی آئی اور داغ اس کے حلقۂ زلف کے اسیر ہو گئے۔ والدہ کا انتقال بھی اسی سن میں ہوا۔

۱۸۸۲ء — حجاب اس کے بعد داغ کے بُلانے پر صرف ایک بار ۱۸۷۹ء میں بے نظیر باغ کے میلے میں آئیں۔ وہ داغ کو کلکتہ بُلاتی رہیں اور بالآخر داغ عازمِ کلکتہ ہوئے اور وہاں سے جون ۱۸۸۲ء کو واپس آئے۔ وہ حجاب کو ہمراہ لانا چاہتے تھے یا خود کلکتے میں رہنا چاہتے تھے لیکن یہ دونوں صورتیں نہ ہو سکیں۔

۱۸۸۷ء — نواب کلب علی خاں کا انتقال ہوا اور انتظامِ ریاست اعظم الدین خاں کے ہاتھ آیا۔

اربابِ کمال نے رامپور کو خیرباد کہنا شروع کیا اور خود داغ مستعفی ہو کر رامپور سے چل دیئے۔

۱۸۸۸ء — رامپور سے فارغ ہو کر داغ مختلف شہروں میں گھومتے پھرتے رہے، اور لاہور، امرتسر، کشن کوٹ، اجمیر شریف، آگرہ، علی گڑھ وغیرہ۔

کئی شہروں میں بھی ہو آئے۔ بالآخر حیدر آباد کا رُخ کیا۔ انھیں سیاحت کا بہت شوق تھا لیکن رامپور کی نوکری نے انھیں زنجیر پہنا رکھی تھی، اس زنجیر کے ٹوٹتے ہی وہ مختلف مقامات کی سیاحت پر نکل پڑے ۷/ اپریل ۱۸۸۸ء کو حیدر آباد پہنچ کر انھوں نے پہلی عرضی راجہ گردھاری پرشاد کی وساطت سے بارگاہِ سلطانی میں بھیجی لیکن رسائی نہیں ہوئی۔

۱۸۸۹ء تا ۱۸۹۴ء

۱۲/ جولائی ۱۸۸۹ء کو مایوس ہو کر حیدر آباد سے چل پڑے۔ اور بنگلور، بمبئی ہوتے ہوئے واپس دہلی پہنچے۔ اسی دوران حیدر آباد میں اُن کے لیے کوششیں جاری رہیں۔ چنانچہ ۲۹/ مارچ ۱۸۹۰ء کو پھر حیدر آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ ۶/ فروری ۱۸۹۱ء کو حضور نظام دکن کی غزل سربہ مُہر لفافے میں ان کے پاس پہنچی۔ اس طرح شاگردی استادی کا سلسلہ تو قائم ہو گیا لیکن تنخواہ کا حکم ۱۸/ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو صادر ہوا۔ اور ابتدائے ورود سے ۴۵۰ روپے ماہوار کا وظیفہ مقرر کیا گیا — ۱۸۹۴ء میں نظام کی سالگرہ کی تقریب میں " بلبلِ ہندوستان "، " فصیح الملک "، " جہاں استاد "، " ناظم یار جنگ "، " دبیر الدولہ " کے خطابات سے سرفراز ہوئے اور وظیفے میں ساڑھے پانچ سو روپے ماہوار کا اضافہ تاریخ تقررِ سابقہ سے کر دیا گیا۔ دربار آصفیہ سے ایک ہزار روپے ماہوار وظیفہ کے علاوہ عطیات بھی ملتے رہے — ایک گاؤں بھی ملا اور طلائی گھڑیاں اور تلواریں بھی عطا ہوتی رہیں۔

۱۹۰۳ء

ایڈورڈ ہشتم کی تاج پوشی کے سلسلے میں داغ والیٔ دکن کے ہمراہ حیدر آباد سے دہلی تشریف لائے۔ دہلی چھوڑنے کے بعد اور حیدر آباد کی ملازمت کے بعد یہ ان کا دہلی کا پہلا سفر تھا۔

۱۹۰۵ء

۱۸۹۷ء میں داغ کی رفیقۂ حیات کی وفات ہوئی اس کے بعد ان کی

زندگی عذاب ہوگئی اور حجاب کی یاد تازہ ہوگئی۔ حجاب آئیں لیکن نظریات بدل چکے تھے اور واپس کلکتہ چلی گئیں۔ داغ پر فالج کا دورہ پڑا اور چودہ فروری ۱۹۰۵ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اُس وقت ان کی عمر ۷۴ برس تھی۔ داغ کی تجہیز و تدفین کے لیے خزانۂ شاہی سے تین ہزار روپے دیئے گئے۔ عیدالضحیٰ کی صبح کو داغ کی نماز جنازہ حیدرآباد کی تاریخی مکہ مسجد میں ادا کی گئی۔ اور درگاہِ یوسفین میں اپنی رفیقۂ حیات کی قبر کے پہلو میں سپردِ خاک ہوئے۔ لوحِ مزار پر نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی کا قطعہ تاریخ (چھ شعر) کندہ کیا گیا۔ جواب وہاں موجود نہیں ہے۔

داغ کی تصانیف

۱۔ گلزارِ داغ مطبوعہ ۱۸۷۸ء ۲۔ فریادِ داغ (مثنوی) مطبوعہ ۱۸۸۲ء
۳۔ آفتابِ داغ مطبوعہ ۱۸۸۵ء ۴۔ مہتابِ داغ ۱۸۹۳ء
۵۔ یادگارِ داغ مطبوعہ نومبر ۱۹۰۵ء

داغؔ کے ۱۵۱ شعر

اے داغؔ بخشوائیں گے اُمت کے وہ گناہ
ہے آسرا جناب رسالتؐ مآب کا

اے داغؔ کیا بتائیں محبت میں کیا ہوا
بیٹھے بٹھائے جان کو آزار ہو گیا

غضب کیا ترے وعدے پر اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا

نہ پوچھ مجھ سے مرے جُرم داورِ محشر
مرے گناہوں کا دنیا میں بھی حساب نہ تھا

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

ترے وعدے پر ستمگر ابھی اور صبر کرتے
اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

دل لے گے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
اُلٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

دی مؤذن نے شبِ وصل اذاں پچھلی رات
ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

کہا ظالم نے میرا حال سُن کر
وہ اس جینے سے مر جائے تو اچھّا

تیری آنکھیں تو بہت اچھّی ہیں
سب انھیں کہتے ہیں بیمار یہ کیا

دل کو مدت میں کیا تھا خوگرِ طرزِ ستم
کیا خبر تھی وہ یکایک مہرباں ہو جائے گا

ناامیدی تیرے صدقے تو نے دی راحت مجھے
کم ہوا جب ایک ارماں، ایک دشمن کم ہوا

تم کو ہے وصلِ غیر سے انکار
اور جو ہم نے آکے دیکھ لیا

شبِ ہجراں سے موت بہتر ہے
خواب آرام سے تو آئے گا

ہاں ہاں تڑپ تڑپ کے گزاری تمہیں نے رات
تم نے ہی انتظار کیا، ہم نے کیا کیا

ناصح بھی ہے رقیب یہ معلوم ہی نہ تھا
کس کو صلاح کار کیا، ہم نے کیا کیا

خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھایئے قسمیں
مجھے یقین ہوا مجھ کو اعتبار آیا

عاشق کا ذرا سا دل، تسکین ہی کیا اس کی
جھوٹا ہو کہ سچا ہو وعدہ تو کیا ہوتا

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

آباد کس قدر ہے الٰہی عدم کی راہ
ہر دم مسافروں کا ہے تانتا لگا ہوا

روز پیتے ہیں صبوحی بھی ادا کر کے نماز
فرق آجائے تو پابندیِ اوقات ہی کیا

میں وضع کا پابند ہوں گو جان بھی جائے
جب کوئی بلانے نہیں آتا، نہیں آتا

عُذر اُن کی زبان سے نکلا
تیر گویا کمان سے نکلا

پھر کہاں جائیں گے جنّت میں اگر جی نہ لگا
ہے طبیعت بہت آزاد ہماری یارب

بندے سے ہے کیوں پُرسشِ اعمالِ الٰہی
انسان کو رہتی ہے کہاں اپنی خطا یاد

فتنہ پرداز ، دغا باز ، فسوں گر ، عیّار
ہائے افسوس دل آیا بھی تو آیا کس پر

آئینہ دیکھ کے وہ کہنے لگے آپ ہی آپ
ایسے اچھے کی کرے کوئی بُرائی کیوں کر

تجھے خبر نہیں دل چیز کیا ہے اے ناصح
ترے فرشتوں نے دیکھا نہ ہوگا خواب میں دل

کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں
اُن کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

حوروں کا انتظار کرے کون حشر تک
مٹی کی بھی ملے تو روا ہے شباب میں

اے آرزوئے تازہ نہ کر مجھ سے چھیڑ چھاڑ
میں پائے شوق و دستِ تمنا بریدہ ہوں

پوچھئے مے کشوں سے لطفِ شراب
یہ مزا پاک باز کیا جانیں

راہ پر حضرتِ زاہد کو لگا ہی لائے
سچ تو یہ ہے کہ مے آشام بُرے ہوتے ہیں

آپ کی جنبشِ لب نے تو کیا کام تمام
اسی اعجاز پہ کہتے تھے مسیحا ہوں میں

حضرتِ دل آپ ہیں جس دھیان میں
مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تم کو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں

لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

خبر سُن کر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

کوئی جنّت کا خواہاں ہے کوئی کوثر کا طالب ہے
اُڑا کرتی ہے بے پر کی ہمیشہ بادہ خواروں میں

راہ پر اُن کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں
اور کھُل جائیں گے دو چار مُلاقاتوں میں

بھنویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

عُذر آنے میں بھی ہے اور بُلاتے بھی نہیں
باعثِ ترکِ مُلاقات بتاتے بھی نہیں

کیا ملے گا کوئی حسیں نہ کہیں
جی بہل جائے گا کہیں نہ کہیں

تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں
تجھے ہر بہانے سے ہم دیکھتے ہیں

دیکھ کر تصویرِ یوسفؑ کہہ دیا کچھ بھی نہیں
آپ ہی سب کچھ ہیں گویا دوسرا کچھ بھی نہیں

تجھی پر جان دیتا کیوں زمانہ
اگر یہ بات ہوتی ہر کسی میں

سب لوگ، جدھر وہ ہیں، اُدھر دیکھ رہے ہیں
ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں

اس نہیں کا کوئی علاج نہیں
روز کہتے ہیں آپ آج نہیں

دلِ بے مدعا خُدا نے دیا
اب کسی شے کی احتیاج نہیں

رہروِ راہِ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

دنیا میں آدمی کو مصیبت کہاں نہیں
وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں

غیروں کا اختراع و تصوف غلط ہے داغ
اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

روز مرتا ہوں روز جیتا ہوں
زندگی کا کوئی حساب نہیں

ناصح نے اونچ نیچ تو سمجھائی ہے بہت
میں اس کو کیا کروں کہ یہ دل مانتا ہوں

گو مے کشی گنہ ہے طبیعت کو کیا کروں
توبہ کسی نے کی بھی ہے فصلِ بہار میں

محوِ آرائشِ و زینت ہی رہے آٹھ پہر
تجھ کو اللہ کرے فرصتِ بیداد نہ ہو

پچھتاؤ گے بہت مرے دل کو اُجاڑ کر
اس گھر میں اور کون ہے مہماں، تمہیں تو ہو

عاشق کی ایک حال میں گزرے تو لطف کیا
دل کو کبھی سکوں ہو کبھی اضطراب ہو

کتنا باوضع ہے خیال اُس کا
بیکسی میں بھی آئے جاتا ہے

جب آیا چین ہمیں اس نے کر دیا بے چین
تری نگاہ ہماری مزاج داں ٹھہری

دیکھئے کرتی ہے رسوائے زمانہ کیا کیا
مجھ کو یہ چاہ مری تجھ کو یہ صورت تیری

تعزیر دے کے آپ نے عادت بگاڑ دی
دل مانتا نہیں کہ رہوں بے خطا کیے

آگے آتی تھی یاد بھی تیری
اب کبھی بھول کر نہیں آتی

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

تھی شبِ وصل کس قدر کوتاہ
شام گزری کہ بس سحر آئی

اس نے پوچھا مزاج کیسا ہے
رنگ اب دیکھنا طبیعت کے

شریر آنکھ، نگہ بے قرار، چتون شوخ
تم اپنی شکل تو پیدا کرو حیا کے لیے

ملے تو حشر میں لے لو زبان ناصح کی
عجیب چیز ہے یہ طولِ مدعا کے لیے

غنچہ و گل میں دھرا کیا ہے بتا اے بُلبل
جمع ہیں چند ورق وہ بھی بکھرنے والے

اپنی تصویر پہ نازاں ہو تمہارا کیا ہے
آنکھ نرگس کی دہن غنچے کا حیرت میری

مے کے پینے سے کر تو یوں توبہ
آرزوئے نجات جاتی ہے

لاکھ دینے کا ایک دینا ہے
دلِ بے مدعا دِیا تُو نے

فسردہ دل کبھی خلوت نہ انجمن میں رہے
بہار ہو کے رہے ہم تو جس چمن میں رہے

گو تری نظروں سے کل ہی گر پڑیں
آج تو کوئی ٹھکانا چاہیئے

طبیعت کوئی دن میں بھر جائے گی
چڑھی ہے یہ آندھی اُتر جائے گی

ملاتے ہو اُسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے
مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے

اے ناصحِ شفیق رہے کچھ تو چھیڑ چھاڑ
ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

مانندِ برق، مثلِ ہوا، صورتِ نگاہ
اکثر نکل گئے ہیں وہ میرے قریب سے

اس عشق میں کسی کا اجارہ نہیں ہے داغ
پروردگار جس کو یہ دولت عطا کرے

کام دنیا میں نکلتا نہیں آسانی سے
جس کو ہم سہل سمجھ لیتے ہیں مشکل ہے وہی

وہ عیادت کو مری آتے ہیں لو اور سنو
آج ہی خوبیٔ تقدیر سے حال اچھا ہے

آپ پچھتائیں نہیں جور سے توبہ نہ کریں
آپ گھبرائیں نہیں داغ کا حال اچھا ہے

آپ کا اعتبار کون کرے
روز کا انتظار کون کرے

رنج کی جب گفتگو ہونے لگی
آپ سے تم، تم سے تُو ہونے لگی

مجھ کو کہئے بُرا نہ غیر کے ساتھ
جو ہو کہنا جُدا جُدا کہئے

ہائے مجبوریاں محبّت کی
حال کہنا پڑا ہے دشمن سے

ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

توبہ کر زاہد کروں میں توبہ ایسے وقت میں
یہ بہار آئی ہوئی ایسی گھٹا چھائی ہوئی

آرام کچھ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا
زیرِ فلک نہیں ہے تو زیرِ زمیں سہی

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
ایسی جنّت کو کیا کرے کوئی

اب تک تو ابتدائے محبت میں ہیں مزے
آگے مرا نصیب ہے اللہ یار ہے

یہ آپ جانیں داغ میں جو ہیں برائیاں
اتنا تو ہم کہیں گے. بڑا وضعدار ہے

تو بھی اے ناصح کسی پر جان دے
ہاتھ لا استاد کیوں کیسی کہی

کہا تھا ہم نے جو کچھ راز داں سے
سُنا وہ آج دشمن کی زباں سے

کیوں وصل کی شب ہاتھ لگانے نہیں دیتے
معشوق ہو یا کوئی امانت ہو کسی کی

خدایا آبرو دے رزق اے داغ
نہیں ہے بحث ہم کو بیش و کم سے

میں بُرا ہوں تو بُرا جان کے ملیے مجھ سے
عیب کو عیب سمجھئے تو کہاں رہتا ہے

لطف وہ عشق میں پائے ہیں کہ جی جانتا ہے
رنج بھی ایسے اٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

کام رُکنے کا نہیں اے دل ناداں کوئی
خود بہ خود غیب سے ہو جائے گا ساماں کوئی

دیر ہو جائے بلا سے اُنھیں آرائش میں
رہ نہ جائے کسی کم بخت کا ارماں کوئی

شکوۂ رنجش و بیداد بھی کرنا قاصد
مگر اتنا کہ نہ ہو جائے پشیماں کوئی

جاتے تھے منھ چھپائے ہوئے میکدے کو ہم
آتے ہوئے اُدھر سے کئی پارسا ملے

دنیا میں دل لگی کے لیے کچھ تو چاہیے
ہم ان بتوں سے ملتے ہیں جب تک خدا ملے

تم نے بدلے ہم سے گِن گِن کر لیے
ہم نے کیا چاہا تھا اس دن کے لیے

بھولے ہی بن کے کام نکلتا ہے گاہ گاہ
بن جاتے ہیں ہم آپ ہی ناداں کبھی کبھی

بیتاب تری بزم میں دیکھا جسے دیکھا
ہوش اُڑتے ہیں، مے اڑتی ہے، اُڑتی ہے خبر بھی

بڑھے تکرار کیوں پہلے ہی اس کا فیصلہ کر لو
یہ کہنا مان لیں گے ہم، یہ کہنا ہم نہ مانیں گے

حُسنِ معشوق سے بھی حسنِ سخن ہے کمیاب
ایک ہوتی ہے ہزاروں میں طبیعت اچھی

آدمیت سے علاقہ ہے نہ دنیا کا مزا
پھر جہنّم سے ہے کس بات میں جنّت اچھی

بات کرنی بھی نہ آتی تھی تمھیں
یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

ابھی سن ہی کیا ہے جو بیباکیاں ہوں
انھیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے

تیرے جلوے کا تو کیا کہنا مگر
دیکھنے والے کو دیکھا چاہیئے

تجھے کہاں رات کو آئینہ تو لے کر دیکھو
اور ہوتی ہے خطاوار کی صورت کیسی

کیا عشق بھلا دے گا یہ آزار یہ تکلیف
جنّت میں بھی یاد آئے گی بیداد کسی کی

کم بخت وہی داغ نہ ہو دیکھو تو جا کر
بے چین کیے دیتی ہے فریاد کسی کی

پھرا اپنے مقدر میں کہاں وصل کی راتیں
ہم پر ہیں یہ سب آپ کے احساں کوئی دن کے

مدد اے ہمّتِ دشوار پسند
کام آسان ہوا جاتا ہے

عرضِ احوال کو گِلہ سمجھے
کیا کہا میں نے آپ کیا سمجھے

وعدہ کرنا پھر اس خوشی کے ساتھ
ہم تو اس کو بھی اِک ادا سمجھے

تم نہ پاؤ گے سادہ دل مجھ سا
جو تغافل کو بھی حیا جانے

لیل و نہار اپنے گذرتے ہیں ایک شکل
جو شب کو خواب تھا وہی دن کو خیال ہے

کرتا ہے امام آج بہت سہو کے سجدے
پوشیدہ جماعت میں وہ کافر تو نہیں ہے

احسان ہو ہم پر جو ہمیں آپ بتا دیں
دنیا میں کوئی آپ سے بہتر تو نہیں ہے

حیرت ہے اس نے صبح کو مجھ سے بیاں کیں
باتیں جو کیں تھیں رات کو اس کے خیال سے

گر یہی جھگڑے رہے باہم تو ملنا ہو چکا
رنجِ تنہائی مجھے ہے فکرِ رسوائی تجھے

سہمے جاتے ہیں ڈرے جاتے ہیں وہ عاشق سے
کم سنی ہے ابھی اس سن میں جھجک ہوتی ہے

دردِ فرقت بھی الٰہی نہ دغا دے جائے
آج یہ کیا ہے کہ تھم تھم کے کسک ہوتی ہے

کوئی تو غم ہے جو کی آپ نے آرائش ترک
سادگی اور مجھے باعثِ شک ہوتی ہے

قاصد بھی اس کو دیکھ کے دیوانہ ہو گیا
پوچھی زمین کی ، تو کہی آسمان کی

انصاف سے دشمن نے کبھی حق میں ہمارے
اچھی بھی کہی ہے تو بُری دل کو لگی ہے

جھگڑے لگے ہیں یوں تو بہت آدمی کے ساتھ
یارب نہ ہو کسی کو محبّت کسی کے ساتھ

اے داغ یہ کیا بات ہے ہم کو تو بتاؤ
رہتا ہے وہاں ذکر تمہارا کئی دن سے

اپنے جمالِ ہوش رُبا کی خبر بھی ہے
کہتے ہو ہم سے طالبِ دیدار کیوں ہوئے

کہنے لگے تھے حال مگر یہ خبر نہ تھی
مطلب کی بات لب پہ ذرا بھی نہ آئے گی

پیری میں داغ جوشِ مضامیں ہے رنگ پر
اس باغ کی بہار ہماری خزاں سے ہے

مجھ کو مجبوری نہ تھی اس کی زبردستی نہ تھی
لے گیا کافر مرا ایمان ہنستے بولتے

داغ کے سب حرف لکھتے ہیں جُدا
ٹکڑے کر ڈالے ہمارے نام کے

وصفِ جنّت جو کیا اُن سے بگڑ کر بولے
کبھی مجھ پر ہے، کبھی حور پر، اچھا دل ہے

اُنھیں نفرت ہوئی سارے جہاں سے
نئی دُنیا کوئی لائے کہاں سے

کیا اُن کی حقیقت ہے کہ تشبیہ اُنھیں دوں
غنچے کو ترے لب سے، رگِ گل کو کمر سے

مقابل اس کے جو ابروئے یار کل آیا
ہلالِ چرخ کا اتنا سا منھ نکل آیا

چلئے خلوت ہی میں کچھ باتیں ہوں
آپ محفل میں تو شرماتے ہیں

جب مری راہ سے گزرتے ہیں　　اپنی پرچھائیں سے وہ ڈرتے ہیں

اُٹھ گئی یوں وفا زمانے سے　　کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں

شرر و برق نہیں شعلہ و سیماب نہیں
کس لیے پھر یہ ٹھہرتا دلِ بیتاب نہیں

اے فلک سامانِ محشر ہی سہی
اپنی آنکھوں کو تماشا چاہیئے

کہتے ہیں اسے زبانِ اُردو
جس میں نہ ہو رنگ فارسی کا

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

جوشؔ ملسیانی

داغ کے نامور شاگرد

حضرت فصیح الملک داغ کے تلامذہ کی تعداد تو ڈیڑھ ہزار سے بھی کچھ زیادہ تھی۔ ان میں منتہی اور جوہرِ قابل بھی سیکڑوں کی تعداد میں ہوں گے۔ مگر شہرت چوں کہ خداداد ہوتی ہے، اس لئے اس مضمون میں صرف انھیں اصحاب کا ذکر کیا جائے گا جنھوں نے دنیائے ادب میں نام پایا اور قبولِ عام کی سند حاصل کی، اور جو فی الواقع اس عزّت و توقیر کے مستحق تھے۔ چوں کہ اس طویل فہرست میں نواب آصف اور ڈاکٹر محمد اقبال کے نام نامی بھی گل سرسبد کی طرح نظر آتے ہیں اس لئے مناسب ہے کہ سب سے پہلے انھیں کے ذکر خیر سے یہ مضمون شروع کیا جائے اور ان کے بعد دوسرے مشہور تلامذہ کا مذکور رہو۔

آصف

میر محبوب علی خاں آصف نواب حیدرآباد استاد نوازی اور ادب پروری میں اپنی مثال آپ تھے۔ داغ کی جو قدردانی انھوں نے کی اس کی مثال گزشتہ کئی صدیوں میں نہیں مل سکتی۔ بہت پختہ اور بہت شگفتہ کہنے والے تھے۔ سربہ مُہر لفافے چوب دار کے ہاتھ بھیج کر اصلاح حاصل کرتے تھے۔ یہ اصلاح بھی بالکل تنہائی میں ہوتی تھی اور سربہ مُہر لفافے ہی کی شکل میں واپس کی جاتی تھی مطلعِ ذیل سے ان کی شاعرانہ قابلیت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

زیر زانو سر ہو اور گردن تہِ شمشیر بھی
قاتل اپنے ساتھ یوں کھنچوا مری تصویر بھی

دونوں مصرعوں میں ردیف کی نشست قابلِ دید ہے۔ اسی غزل میں ایک اور قافیہ بھی قابلِ ذکر ہے ؎

اس لئے وہ دیکھتے ہیں دور سے میری شبیہ
وہم ہے بوسہ نہ لے لے پاس سے تصویر بھی

یہاں بھی قافیہ اور ردیف دونوں ناطق ہیں۔ ہر دو اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ آصف کتنے خوش کلام اور کتنے پختہ مشق تھے۔ چند اشعار اور ملاحظہ ہوں ؎

وہ بھی کیا دن تھے ہمیں غم سے سروکار نہ تھا
دل کو ارمان نہ تھا جان کو آزار نہ تھا

منصفی شرط ہے شایانِ کرم غیر ہی تھے
میں ترے جور و ستم کا بھی سزاوار نہ تھا

واہ اے شانِ کریمی، ترے صدقے قربان
جس گنہ گار کو دیکھا وہ گنہ گار نہ تھا

لیجئے غیر سے دو دن بھی نبا ہی نہ گئی
آپ کے ذہن میں آصف تو وفادار نہ تھا

استاد کے فیضان کی پوری چھاپ ہر ایک شعر پر نمایاں ہے۔ کلام الملوک ملک الکلام کا مقولہ ان بلند پایہ اشعار پر کتنا صادق آتا ہے۔ ۱۹۱۱ء میں وفات پائی۔

اقبالؔ

ڈاکٹر محمد اقبال کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کی فلسفیانہ شاعری دنیا ئے ادب پر چھائی ہوئی ہے۔ بعض ادبی حلقوں میں یہ بحث ہوتی رہی ہے اور شاید اب بھی ہے کہ اقبالؔ داغ کے شاگرد تھے یا نہیں۔ مگر اقبال کا یہ مقطع اس بحث میں ہر قسم کے اشتباہ کی زوردار تردید پیش کرتا ہے ؎

نسیم و تشنہ ہی اقبال کچھ اس پر نہیں نازاں
مجھے بھی فخر ہے شاگردیِ داغِ سخن داں کا[1]

اس اشتباہ کی وجہ ایک تو یہ ہو سکتی ہے کہ اقبال کے کلام میں داغ کی زبان، داغ کے چوچلے، داغ کے تغزل یعنی معاملہ بندی اور داغ کی بے باکانہ شوخیوں کی کوئی جھلک نہیں پائی جاتی۔ مگر یہ دلیل چنداں وزن دار نہیں۔ سیماب کے ابتدائی کلام میں تو یہ جھلک کم و بیش پائی جاتی ہے۔ مگر اس کے بعد انھوں نے جو کچھ کہا وہ اس رنگ میں ہرگز نہیں ہے۔ اس بنا پر یہ شور بھی برپا ہوا تھا کہ سیمابؔ داغ کے شاگرد نہیں ہیں۔ داغ کے ایک نامور شاگرد نے مجھے ایک خط میں لکھا تھا کہ شاگردوں کا رجسٹر میرے پاس بھی رہا ہے۔ اس میں یہ نام نہیں تھا۔ لیکن میں نے بہ مقام دہلی سیماب کو نواب سائل سے یہ کہتے ہوئے خود سنا ہے کہ آپ زندہ ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ استاد زندہ ہیں۔

مضطرؔ خیرآبادی، ریاضؔ اور دل شاہ جہان پوری اگرچہ امیر مینائی کے نامور شاگرد ہیں مگر ان کی طبیعت داغ ہی کی طرز سخن کی طرف جھکی ہوئی ہے، کہیں کم کہیں زیادہ۔ مثال کے لئے مضطر صاحب کا یہ مطلع کافی ہے ؎

یہ کہو کہ کل کہاں تھے جو حضور کل نہ آئے
مگر اس طرح سے کہنا کہ جبیں پہ بل نہ آئے

---

[1] مشاعرہ لاہور کا رسالہ شورِ محشر، دسمبر ۱۸۹۶ء

بےخود دہلوی نے دو تین دفعہ مجھ سے یہ کہا کہ میں شاگرد تو داغ کا ہوں مگر کہتا ہوں مومن کے رنگ میں۔ کلام سناتے تھے تو بھی بعض اشعار پر یہ کہتے تھے کہ مومن کے رنگ کا شعر سنیئے۔ غالب کے ۱۴۶ شاگردوں میں ایک بھی ایسا نہیں جس نے غالب کا تتبع کیا ہو۔ وہ ناک کو پیچھے کی طرف سے ہاتھ لگانا پسند نہیں کرتے۔ شعر پڑھا اور دل میں اترا۔ اسی اصول کی صداقت کے قائل ہیں۔ حالی نے تو اچھے شعر کی پہچان ہی یہ لکھی ہے کہ جس شعر کو سن کر سامع سوچ میں پڑ جائے وہ شعر ہی نہیں ہے۔

ان دلائل سے ظاہر ہے کہ اس اشتباہ کی مذکورہ بالا وجہ کوئی خاص وزن نہیں رکھتی دوسری وجہ اس شک وشبہ کی یہ ہوسکتی ہے کہ داغ کے تمام شاگرد غزل گو ہیں مگر اقبال غزل گو نہیں ہیں۔ انھوں نے غزلیں بہت کم کہی ہیں۔ اگرچہ وہ اپنی جگہ بہت کچھ قابل ستائش ہیں مگر ان کی تعداد بہت قلیل ہے۔ بعض غزلوں پر تو سوچنا پڑتا ہے کہ یہ غزل ہے یا نظم۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان کی طبیعت کا جھکاؤ زندگی بھر نظمیات ہی کی طرف رہا ہے۔ مگر جب اس نکتہ پر غور کریں کہ میلانِ طبیعت پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی تو یہ شبہ بھی درخورِ اعتنا نہیں رہتا۔ عزیز لکھنوی غزل گو تھے مگر ان کے شاگرد جوش ملیح آبادی اول سے آخر تک نظم گو ہیں وہ تو مضحکہ اڑاتے ہوئے غزل کو گجل کہا کرتے ہیں۔ پس اس بحث کا ماحصل یہی ہوسکتا ہے کہ اقبال بلاشبہ خاندانِ داغ کی برگزیدہ ہستی تھے۔ داغ کی وفات پر جو مرثیہ انھوں نے کہا ہے وہ اس قدر جذباتی ہے کہ یا تو ایسا دردناک مرثیہ سعادت مند بیٹا باپ کے لئے لکھ سکتا ہے یا کوئی بہت عقیدت مند شاگرد استاد کے لئے۔ ۱۹۳۸ء میں وفات پائی۔ بانگِ درا، ضربِ کلیم اور بالِ جبریل ان کی اردو تصانیف میں بہت مشہور کتابیں ہیں۔ نمونۂ کلام ؎

چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

لپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری

اڑائی قمریوں نے، طوطیوں نے، عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

سائلؔ

نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی حضرت داغ کے داماد تھے۔ اس رشتے پر انھیں فخر بھی تھا۔ حیدر آباد میں چونکہ داغ مشاعروں میں حسب مرضی نواب آصف نہیں جایا کرتے تھے اس لئے استاد کی غزل نواب سائل ہی پڑھا کرتے تھے۔ عام مشاعروں میں ترنم سے پڑھنے کی ابتدا انھیں سے ہوئی۔ ان کا ترنم بہت دل آویز تھا۔ اخلاق کے لحاظ سے دہلی کی قدیم تہذیب اور قدیم شرفا کا صحیح نمونہ تھے۔ آخر عمر میں ٹانگ کے مضروب ہو جانے کی وجہ سے چھ سات سال بہت مصیبت میں گزارے۔ چلنے پھرنے سے بھی معذور رہو گئے۔ ثقلِ سماعت کے علاوہ بصارت بھی جاتی رہی۔ ۸۲ سال کے قریب عمر پاکر ۱۹۴۶ء میں فوت ہوئے۔ طبیعت بہت مرنجاں مرنج تھی۔ وسعتِ اخلاق کی وجہ سے مسلمانوں کے مقابلے میں ہندو طلباء زیادہ تھے۔ ان کی زبان مستند مانی جاتی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت داغ کی گود لی ہوئی لڑکی لاڈلی بیگم انھیں کے ساتھ بیاہی ہوئی تھی اور لاڈلی بیگم کی زبان بیگمات کی زبان تھی۔ شعر استاد ہی کے رنگ میں کہتے تھے۔ کتب صنائع وبدائع میں صنعت موصّل کی ایک ہی مثال مصرع ذیل کی شکل میں پائی

جاتی ہے ؎

فیض سب مل گئے ہیں مٹی میں

مگر انھوں نے پورا شعر اس صنعت میں کہا ۔ وہ شعر یہ ہے ؎

جئیں جب مے کے پینے سے نہیں پی جب بھی پی لیں گے
ہمیں پینے سے مطلب ہے یہی پی پی کے جی لیں گے

لطف یہ ہے کہ پہلے مصرع کے الفاظ بھی دوسرے مصرع کے الفاظ سے جوڑ کر لکھے جا سکتے ہیں ۔ اس شعر کے تمام الفاظ جوڑ جوڑ کر لکھیں تو سانپ کی شکل بن جاتی ہے کلام کا ذخیرہ تو بہت تھا مگر عمر کے آخری حصے میں جو عوارض لاحق ہوئے انھوں نے اشاعت کا موقع نہ دیا ۔ اس ذخیرے میں ایک مثنوی بھی ہے جس کا ہر شعر مردف ہے ۔ نمونہ کلام ؎

میرے نالوں سے ملا دیکھو فغانِ عندلیب
ہو چمن میں آج مجھ سے امتحانِ عندلیب

آگیا صیاد زیرِ آشیانِ عندلیب
نغمہ دو اک دم سمجھ لو میہمانِ عندلیب

عندلیبِ خوش نوا کا دل ہے دُہری قید میں
اک قفس کی تیلیاں اک استخوانِ عندلیب

اس شعر میں معنی آفرینی اور جدت طرازی کتنی قابلِ داد ہے ۔ ایک اور شعر ملاحظہ ہو ؎

وہ مسجد ہے یہ مے خانہ تعجب اس پر آتا ہے
جنابِ شیخ کا نقشِ قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی

اس شعر کی ردیف میں زبان کا جو رنگ ہے وہ انھیں کا حصہ ہے ۔

بے خود دہلوی

نام سیّد وحید الدین احمد۔ مٹیا محل دہلی میں رہتے تھے۔ مجموعۂ کلام گفتارِ بے خود اور "دُرِ شاہوار" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ انھیں داغؔ کا مایہ ناز شاگرد کہنا چاہیئے۔ کسی نے حضرت داغ سے پوچھا تھا کہ آپ کا جانشین کون ہو گا۔ انھوں نے کہا تھا۔ "بے خودین" اس کا مطلب بے خود دہلوی اور بے خود بدایونی سے ہے۔ استاد کی وفات کے بعد جانشینی کا جھگڑا دیر تک چلتا رہا۔ ایک شاگرد نے تو یہ کہہ کر جانشینی کا دعوےٰ کیا کہ باپ کا ہر ایک بیٹا اس کا جانشین ہوتا ہے۔ اربابِ ادب نے یہ جھگڑا ختم نہ ہوتا دیکھ کر نواب سائل سے کہا کہ آپ خاندانی جانشین ہونے کی حیثیت سے یہ جھگڑا ختم کریں۔ اس اصرار پر سائل صاحب نے خاندانی جانشینی ہی کی حیثیت میں تین اصحاب کو جانشینِ داغ کی مُہری سندات بھیج دیں جن کی نقل ان اصحاب کے دیوانوں میں شامل ہے۔ یہ تین اصحاب نوحؔ ناروی، باغؔ سنبھلی اور مُہرؔ گوالیاری ہیں۔ بے خود صاحب کہا کرتے تھے کہ داغ کے مکان کی چابی تو میرے پاس ہے مگر سائل صاحب نے جانشین اوروں کو بنا دیا۔

نوّے سال کے قریب عمر پائی۔ رعشہ کا مرض تو ایک مدّت سے تھا۔ دستخط بھی مشکل سے کر سکتے تھے۔ مگر آخری عمر میں پہلے سماعت کی طاقت زائل ہوئی پھر بصارت بھی جاتی رہی۔ بہت ٹھوس اور مضبوط شعر کہتے تھے۔ گوالیار کے ایک مشاعرے میں "اِدھر دیکھا، جگر دیکھا" مصرع طرح کی زمین تھی۔ شعراء کے لئے دیکھ کر کا قافیہ التزامی تھا۔ شعراء نے عجیب عجیب شعر اس قافیہ میں کہے۔ یہاں بھی دیکھ کر دیکھا وہاں بھی دیکھ کر دیکھا۔ اِدھر بھی دیکھ کر دیکھا، اُدھر بھی دیکھ کر دیکھا۔ اسے بھی دیکھ کر دیکھا، اُسے بھی دیکھ کر دیکھا۔ مگر بے خود نے یہ قافیہ ایسا غیر فانی اور اتنا لاجواب کہا کہ اس سے بہتر خیال میں نہیں آسکتا۔ سننے والے لوہا مان گئے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

ترے دیدار سے بڑھ کر نہیں کوئی خوشی مجھ کو
ہلال عید بھی میں نے ترا منھ دیکھ کر دیکھا

مطلع ذیل کو دیکھئے۔ دوسرے مصرع میں کیا طلسم باندھا ہے ؎

پینے کے یہی دن تو ہیں ساقی اگر آتے
شیشے کی پری ابر میں اڑتی نظر آتے

دنگل جیتنے والے شعراء میں ان کا شمار کیا جاسکتا ہے۔ پیرانہ سالی کے باوجود مشاعرے میں بلند آہنگی سے تحت لفظ پڑھتے تھے۔ نمونۂ کلام ؎

مرا دل چھین لینے کے لئے تیار کیسی ہے
نگاہِ یار بدمستی میں بھی ہشیار کیسی ہے

کرم میں بدگمانی آپ کو سرکار کیسی ہے
دلِ بیمار کی پرسش یہ سو سو بار کیسی ہے

بہت سی قسم کے دل ہیں بہت سی دل کی قسمیں ہیں
ہمیں معلوم کیا تم کو یہ شے درکار کیسی ہے

نہیں اک بات ہے لیکن نہیں اک بات ہے اس میں
تجھے ہر بات پر آساں مجھے دشوار کیسی ہے

ان اشعار میں زبان کا رنگ قابل دید ہے۔ یہ جاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ شعر بے خود کا ہے یا داغ کا۔ ایک مشکل زمین میں دو شعر اور سماعت فرمایئے ؎

نکلنے دی ستم گر نے نہ منھ سے بات بھی پوری
کئے ہیں میرے ہونٹوں پر مری فریاد کے ٹکڑے

کسی مظلوم کے محشر میں شاید کام آجائیں
اٹھا دیجے مجھے میرے دلِ ناشاد کے ٹکڑے

دوسرے شعر میں لفظ شاید مستغنی عن التوصیف ہے۔ دوسرے مصرع میں اٹھا دیجے کتنا بے تکلفانہ روزمرہ ہے۔ بعض احباب کہتے ہیں کہ دیجے کی جگہ دیجیے لکھو مگر اسے کلیہ نہیں کہہ سکتے۔ ذوقِ سلیم یہی کہے گا کہ اس مصرع میں دیجیے کتنا مضحکہ خیز ہے۔

بےخود بدایونی

مولوی عبدالحی نام۔ زیادہ تر ریاست جودھ پور میں رہے۔ وہاں مجسٹریٹ تھے۔ داغ کے جن شاگردوں نے استاد کی زبان اور ان کا رنگ اپنی طبیعت میں زیادہ سے زیادہ جذب کیا ہے۔ بےخود بدایونی ان میں سے ایک ہیں۔ یہ رنگ چھپا نہیں رہ سکتا۔ اس رنگ میں کوئی شعر پڑھا جائے، تو فوراً یہ محسوس ہوتا ہے کہ شعر یا تو داغ کا ہے یا ان کے کسی نامور شاگرد کا۔ اشعارِ ذیل کو پڑھ کر ہر شخص اس خیال کی تائید کرے گا ؎

کہہ بھی چک جو کچھ کہا بے درد نے
سوچتا ہے نامہ بر تمہید کیا

اس محاکات کی داد کہاں تک دی جائے شعر سنتے ہی مستقل طور پر یاد ہو جاتا ہے ؎

جاں باختہ تمہارے کھیلے تو جان پر ہیں
یہ بھی مگر خبر ہے وہ کس گمان پر ہیں

اللہ رے شانِ رفعت اے کوئے یار تیری
جو اس زمین پر ہیں وہ آسمان پر ہیں

یا میرے ساتھ پھروں سرگوشیاں تھیں ظالم
یا میرا نام سن کر اب ہاتھ کان پر ہیں

دل کو تو دردِ الفت ہے مایۂ مسرت
مشکل تو جان کی ہے صدمے تو جان پر ہیں

وطن میں رہ گیا، انجمن میں رہ گیا۔ اس زمین میں چمن کا قافیہ اور اس کے ساتھ ردیف کی نشست دیکھئے ؎

یاد رکھنا بھول جاؤ گے یہ سارے چہچہے
میں اگر اے ہم صفیر و اس چمن میں رہ گیا

نوحؔ ناروی

نام محمد نوح۔ نارہ ضلع الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۶۱ء میں وفات پائی۔ یو۔پی میں انھیں لفظوں کا مداری اور طوفانی بھی کہا جاتا تھا۔ مقطع میں طوفان کا ذکر عموماً ہوتا تھا اسی وجہ سے طوفانی کے لقب سے مشہور رہیں۔ استاد کے ہم صحبت بھی رہے ہیں اور ان کے خدمت گذار بھی۔ یہ بھی ان چند شعراء میں سے ہیں جنھوں نے استاد کا رنگ طبیعت میں خوب جذب کیا۔ لفظوں کا الٹ پھیر بھی ان کے ہاں بہت پر لطف ہے ؎

وہ صورت نظر اب نہ آئے گی مجھ کو
یہ صورت مجھے اب نظر آ رہی ہے

باکمال شاعر اور بہت پر گو تھے۔ ایک غزل ہر روز کہتے تھے ہمیشہ تحت لفظ پڑھتے تھے مگر بناوے کے ساتھ۔ یہ بناوا بھی قابل دید تھا۔ تین دیوان سفینۂ نوح، طوفانِ نوح، اعجازِ نوح شائع ہو کر مقبول ہوئے۔ پہلے دو دیوان اب نایاب ہیں۔ چوتھا دیوان مکمل تھا۔ مگر عمر کے آخری چھ سات سال بہت سے عوارض میں مبتلا

رہے، اس لئے شائع نہ ہو سکا۔ الفاظ اور زبان کی تحقیق کا بہت شوق تھا ——
ان کے متروکات صبر آزما ہیں۔ تمام اصنافِ سخن پر قادر تھے۔ مزاحیہ بھی خوب لکھتے
تھے مثلاً ؎

اہلِ مشرق سے نہیں کرتے وہ بات
اہلِ مغرب کی یہی پہچان ہے

نوکری ملنے میں آسانی نہیں
پاس ہو جانا بہت آسان ہے

روز کے چندوں سے عاجز آ گئے
لیجیے حاضر ہماری جان ہے

چھوٹے چھوٹے لفظوں سے بہت بڑا کام لینے میں امتیازی درجہ رکھتے
ہیں۔ مثالیں ؎

مرے ذہن میں ہے مرے ہوش میں ہے میری عقل میں ہے مری یاد میں ہے
وہ الگ بھی ہوا تو الگ نہ رہا وہ جدا بھی ہوا تو جدا نہ رہا

جو وہ غم نہ رہا تو وہ دل نہ رہا جو وہ دل نہ رہا تو وہ ہم نہ رہے
جو وہ ہم نہ رہے تو وہ تم نہ رہے جو وہ تم نہ رہے تو مزا نہ رہا

ایک رباعی بھی یہاں قابلِ ذکر ہے ؎

صورت دلی میں پھر دکھائی تو نے
چل کر نارے سے داد پائی تو نے
اے نوح بہائی سب نے الٹی گنگا
الٹی جمنا مگر بہائی تو نے

ان کا یہ شعر عرفانی رنگ میں بڑے معرکہ کا ہے ؎

خارِ صحرا خود کفِ پا سے الگ ہو جائیں گے
آپ وہ کانٹا نکالیں جو ہمارے دل میں ہے

مہرؔ گوالیاری

نام منشی نارائن پرشاد۔ ڈاکٹر منوہر مہائے انورؔ انھیں کے فرزند ہیں۔ پایۂ سخن امتیازی حیثیت کا ہے۔ ان کا مجموعہ کلام شعاعِ مہر کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ استاد کا رنگِ سخن جا بجا ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ محاورہ بندی میں بھی اپنی مثال آپ تھے یہ لاجواب شعر انھیں کا ہے ؎

ہم رہے فرقت کی شب بے تاب جسکے واسطے
وہ تو وعدے پر نہ آیا اور وعدہ آگیا

گوالیار کے علاقے میں ان کے بہت سے شاگرد اب بھی موجود ہیں۔ ان کے بزرگ دہلوی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کلام میں دہلی کی زبان کا رنگ نمایاں ہے۔ مثالیں ؎

نیچے کبھی تو اپنی کوئی بات ڈالئے
یہ کیا کہ بات بات میں رخنے نکالئے

خانۂ یار کا ملنا نہیں مشکل قاصد
پوچھتے پوچھتے اللہ کا گھر ملتا ہے

قتل پھر قتل سخت جانوں کا　　منھ تو بنوائے آپ کی تلوار

نہ بلاتے ہیں وہ نہ آتے ہیں　　انگلیوں پر سب مجھے نچاتے ہیں

احسن مارہروی

سیّد علی حسن نام۔ مارہرہ ضلع ایٹہ کے رہنے والے برسوں استاد کے ہم صحبت رہے۔ استاد کے بیان کردہ واقعات کی بنیاد پر کتاب جلوۂ داغ شائع کی۔ رسالہ فصیح الملک کے ایڈیٹر رہے۔ فصیح اللغات بھی انھیں کی محنت اور توجہّ کی مرہون منّت ہے۔ استاد کی وفات کے بعد ان کا چوتھا دیوان یادگار داغ مع ضمیمہ شائع کیا۔ علی گڑھ کالج میں مدّت تک شعبۂ اردو سے منسلک بھی رہے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ شاگردانِ داغ میں اردو ادب کے سب سے بڑے خدمت گزار یہی ہیں۔ بہت صاحب اخلاق تھے۔ متانت اور سنجیدگی بھی ان کا نمایاں وصف ہے۔ ان کا مذہبی کلام بھی بہت بلند پایہ ہے۔ اس میں بھی ان کی فنی قابلیت اور قادر الکلامی بہت داد طلب ہے۔ ان کا مطلع ذیل سننے سے پہلے انھیں کے ایک خواجہ ناش کا شعر سنئے ؎

خانۂ دل سے نہ نکلے آرزو یوں ہی سہی
ہم سمجھ لیں گے ہمارے گھر کی دولت گھر میں ہے

احسن صاحب کا مطلع یہ ہے ؎

روک لے اے ضبط جو آنسو کہ چشم تر میں ہے
کچھ نہیں بگڑا ابھی تک گھر کی دولت گھر میں ہے

ان دو متحد المعنی اشعار کا جن میں ایک شعر مطلع بھی ہے۔ اہل نظر خود موازنہ کر سکتے اور احسن صاحب کے پایۂ سخن کو سمجھ سکتے ہیں ؎

جما ہوا ہے تصوّر کچھ اس طرح دل میں
کہ خواب میں بھی اسی کا خیال رہتا ہے

غلط ہے کون کہتا ہے کہ ہے غفلت سرا دینا
یہاں تو ہجر کی شب بھی نہ موت آئی نہ خواب آیا

غزل، نظم، رباعی سب میں یدِ طولےٰ رکھتے تھے۔ ان کی رباعیات میں بھی صنعت گری پائی جاتی ہے۔

سیماب اکبر آبادی

نام عاشق حسین۔ آگرے میں دیر تک مقیم رہے۔ وہاں قصر الادب کے نام سے ایک ادبی ادارہ قائم کیا ہوا تھا۔ رسالہ شاعر بھی ان کی زیر نگرانی اشاعت پذیر رہا طبیعت خود دار اور غیور پائی تھی۔ کلیم عجم، کارِ امروز، خضرِ ادب ان کی مقبول تصانیف ہیں۔ خضرِ ادب غزلیات کا مجموعہ ہے۔ پاکستان میں وفات پائی۔ ابتدائی کلام رنگِ قدیم میں تھا مثلاً ؎

ڈھالتے ہی ڈھالتے آدھی سے زائد پی گیا
کوری مٹی کا پیالہ بھی بڑا مے نوش ہے

ہر شوخ کو دعوےٰ ہے کہ ہوں رشکِ مسیحا
عیسےٰ نفسی کوئی کرامات نہیں اب

رنگِ قدیم ترک کرنے کے بعد جو رنگ اختیار کیا اس کی دو مثالیں بڑے معرکہ کی ہیں ؎

ہر چیز پر بہار تھی ہر شے پہ حسن تھا　　دنیا جوان تھی مرے عہدِ شباب میں

شبابِ شامِ عشرت ہے اک ایسا جام بھر کر دے
جوانی صبح تک جھوما کرے اے پیرِ میخانہ

شاعر

آغا مظفر بیگ قزلباش نام۔ مگر آغا شاعر ہی کے نام سے مشہور رہیں۔ دہلوی

تھے، خوش پوش اور جامہ زیب بھی تھے۔ اساتذہ دہلی میں شمار کئے جاتے ہیں۔ استاد کی صحبت میں بھی بہ مقام حیدرآباد رہے۔ لاہور میں ایک مدّت تک اخبار نویسی بھی کی مہاراج بہادر برقؔ دہلوی ان کے نام ورشاگرد ہیں نحت لفظ خوب پڑھتے تھے۔

نمونۂ کلام ؎

اسی رفتار سے اٹھے گی قیامت اک دن
یہ خبر ہم کو ترے نقشِ قدم دیتے ہیں

محبت بھی کیا چیز ہے دیکھنا ادھر بات کی چشم تر ہو گئی

ان کا یہ شعر غیر فانی اور بہت مشہور اور پورے دیوان پر بھاری ہے ؎

حشر میں انصاف ہو گا بس یہی سنتے رہو
کچھ یہاں ہوتا رہا ہے کچھ وہاں ہو جائے گا

ہجرؔ شاہ جہاں پوری

نواب ناظم علی خاں نام۔ داغؔ کا رنگ جذب کرنے والوں میں یہ بھی پیش پیش ہیں۔ ادھیڑ عمر میں دنیا سے اٹھ گئے۔ نہایت اچھا کہنے والے تھے۔ طبیعت بہت شگفتہ اور بہت سلجھی ہوئی تھی۔ زبان کی غیر معمولی سلاست اور صفائی کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ ان کا ایک مطلع ایسا ہے جس پر اردو غزل ہمیشہ ناز کرے گی۔ ملحوظ ہو ؎

دل میں غم ہے درد پہلو میں ہے سودا سر میں ہے
اپنے اپنے گھر کا مالک اپنے اپنے گھر میں ہے

جب تک کوئی شخص جنم کنڈلی اور زائچے کو نہ سمجھتا ہو۔ اس مطلع سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ اور نہیں جان سکتا کہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوتے کسی ستارے کی کیا طاقت ہوتی ہے اس غزل کا ایک اور شعر بھی قابلِ ذکر ہے۔

اب یہ ہے جوشِ جنوں کا حال اے جوشِ جنوں
ایک چکر پاؤں میں ہے ایک چکر سر میں ہے

جوشِ جنوں ہی کو کیوں مخاطب کیا گیا۔ یہ معنوی نکتہ خاص غور کے قابل ہے۔ ایک اور غزل کے دو شعر ملحوظ ہوں ؎

اشک باری سے بگڑ بیٹھا وہ دل بر اور بھی
ہم کو لے ڈوبے ہمارے دیدۂ تر اور بھی

دیکھنا نیرنگیِ دردِ محبت دیکھنا
کر گئی ان کی تسلّی دل کو مضطر اور بھی

ان کا ایک اور شعر یہاں قابل ذکر ہے ؎

دل ہمارا نہ ہوا آپ ہمارے نہ ہوئے
لوگ غیروں کو بنا لیتے ہیں کیوں کر اپنا

اس شعر میں زبان کی بے تکلفی قابل داد ہے ؎

سوالِ وصل پر پہلے تو جھڑکا پھر یہ فرمایا
ابھی کچھ اور کہنا ہے ابھی کچھ اور سننا ہے

بے باک شاہ جہاں پوری

سیّد حسن احمد نام۔ تخلص کے لحاظ سے اسم بامسمیٰ تھے۔ ہر مشاعرہ پڑھنے والے کے کلام میں دخل انداز ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مشاعرہ کے منتظم اس خیال سے کہ یہ کسی کو کچھ سننے نہ دیں گے اور مشاعرہ کو بے لطف کریں گے ان کو پھسلا کر آرام کرنے پر مائل کر دیتے تھے۔ کہہ دیتے تھے کہ ابھی تو مبتدیوں کا دور ہے، آپ استاد ٹھہرے۔ نیند خراب نہ کریں۔ ٹھیک وقت پر آپ کو بیدار کر دیں گے اور اپنے ساتھ یہاں لے آئیں گے۔ پڑھنے والے سے مخاطب

ہو کر کبھی تو کہتے تھے کہ یہ قافیہ میں نے اچھا لکھا ہے اور طبیعت پر انصاف غالب آجاتا تو کسی اور قافیے پر کہہ دیتے کہ یہ قافیہ آپ نے میرے قافیے سے بہتر کہا ہے ۔ کوئی ان کے شعر پر داد دیتا تو اس کے پاس آکر پوچھتے کہ آپ نے کیا مطلب سمجھ کر داد دی ہے ۔ وہ کوئی مفہوم بیان کرتے تو کہتے کہ میرا یہ مفہوم نہ تھا ۔ اپنا الگ مفہوم بیان کر دیتے تھے ۔ با ایں ہمہ اچھے خوش فکر تھے ۔ دو تین مثالیں ملاحظہ ہوں ۔

دکھاؤں اپنا حالِ زار اس کو کس طرح یارب
وہ مجھ سا ہو گیا ہے جس کسی نے مجھ کو دیکھا ہے

محبت میں کچھ اے بےباک ایسا حال ہے دل کا
نہ مرنے ہی کی خواہش ہے نہ جینے کی تمنا ہے

جو آتی ہے وہ حسرت پھر نکلتی ہی نہیں دل سے
خدا جانے کہ اس پردے کے اندر کیا تماشا ہے

نسیم بھرت پوری

نام سیّد شبیر حسین ۔ بھرت پور ہی میں سب انسپکٹر پولیس تھے ۔ ۱۹۰۹ء میں وفات پائی ۔ جوہر قابل تھے ۔ زبان اور فن کے نکات خوب سمجھتے تھے ۔ حضرت داغ کے کلام پر جو مسلسل اعتراضات اودھ اخبار میں شائع ہوتے رہے ۔ حضرت داغ نے تو حسب عادت ان پر کوئی توجہ نہیں کی ۔ مگر نسیم نے ان کے دنداں شکن جواب بڑی قابلیت سے لکھے تھے ۔ ان جوابات کو کتابی صورت میں شائع کیا ۔ کتاب کا نام "تازیانہ" رکھا ۔ اس کے پہلے ایڈیشن کی جلدیں تو تبرک ہو گئی تھیں ۔ میرے پاس بھی دوسرے ایڈیشن کا ایک نسخہ بھیجا تھا ۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی ۔ حضرت داغ کے مطلع مندرجہ ذیل پر ۔

دیکھے گا یہ مزا حشر میں جو جائے گا
آپ جو حکم کریں گے وہی ہو جائے گا

اعتراض تھا کہ حکم کرنا زبان نہیں حکم دینا فصیح ہے نسیم صاحب نے جواب میں لکھا کہ دونوں صحیح ہیں مگر استعمال کے لئے موقع محل شرط ہے۔ عدالت اپنے فیصلے میں "حکم دیتی ہے" لکھے گی۔ مگر مروّت کے موقع پر ایک دوست دوسرے دوست کی تسلّی کے لئے یہی کہے گا کہ آپ حکم کریں میں پوری امداد دوں گا۔
سعدؔی کا یہ قطعہ سند میں پیش کیا گیا ؎

خواجہ با بندۂ پری رخسار
چوں بباید بہ بازی و خندہ

چہ عجب گو چو خواجہ حُکم دکند،
وے کشد بارِ ناز چوں بندہ

یہ ایک مثال نمونہ کے طور پر لکھ دی گئی ہے۔ ایسے ہی دوسرے جوابات پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔
نسیمؔ کے کلام میں بھی زبان کا رنگ استاد کے رنگِ سخن سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ مثالیں ؎

خرامِ ناز میں شوخی کی بھی کچھ آن پیدا کر
قیامت اٹھ کے خود چومے قدم وہ شان پیدا کر

گھُٹا جاتا ہے دم سینے میں میری آرزوؤں کا
کوئی ان کے لئے یارب کھُلا میدان پیدا کر
محبت ہے جنوں کی قسم سے اچھی کہی ناصح
سلیقہ بات کرنے کا کچھ اسے نادان پیدا کر

وہ آغوشِ عدو سے اُٹھ کے میرے گھر چلے آئیں
الٰہی غیب سے ایسا کوئی سامان پیدا کر

وجاہت جھنجھانوی

نام وجاہت حسین۔ زیادہ تر لاہور ہی میں سکونت پذیر رہے۔ رسالہ اصلاحِ سخن ان کی ادارت میں وہیں سے شائع ہوا کرتا تھا۔ کچھ مدت اخبار "زمیندار" لاہور میں بھی کام کرتے رہے کثیر الاحباب تھے۔ کلام زبان کے رنگ میں بہت سادہ اور سلیس مگر جاذبِ گوش تھا۔ مثالیں ؎

پاؤں پھیلائے ہوئے ہیں قبر میں ہم بعدِ مرگ
کم سے کم انسان کے رہنے کا گھر اتنا تو ہو

مرمٹے راہِ طلب میں چلتے چلتے راہ گیر
خود سفر کر جائے منزل میں سفر اتنا تو ہو

مُرغ کے ہم راہ دیتا ہے مؤذن بھی اذاں
آدمی کوئی اگر ہو جانور اتنا تو ہو

پی کے مے خانے سے زاہد سوئے مسجد چل دیا
پردہ پوشِ عیب ہو جائے ہنر اتنا تو ہو

رسا رام پوری

نام مولوی حیات بخش۔ بہت شگفتہ اور بہت ہی دل نشیں شعر کہنے والے تھے۔ تھے تو بلند شہری مگر زیادہ تر رام پور ہی میں رہے۔ نواب رام پور کے مصاحب بھی تھے۔ طبیعت باغ و بہار تھی۔ مفصلہ ذیل مثالیں خود بتائیں گی کہ یہ کس پایہ کے سخن ور تھے ؎

اُن کا ہر بات پہ تصویرِ حیا ہو جانا
کہہ رہا ہے کہیں وعدے کا وفا ہو جانا

اک نہ اک دن ہمیں پامالِ جفا ہو جانا
زندگی ہے تو دکھا دیں گے فنا ہو جانا

آج تو وصل کی ہے رات نہ رُوٹھو ہم سے
پھر خفا ہونے کو سو بار خفا ہو جانا

کسی صورت سے پہنچ بابِ اثر تک اے آہ
کچھ نہ بن آئے تو دشمن کی دعا ہو جانا

غالب کی زمین میں ایسے دل کش اور شگفتہ شعر کہنا ان کی استادانہ شان کا روشن ثبوت ہے ؎

خطا پہ حشر میں نازاں ہوں اس لیے یارب
کہ مجھ غریب کی پُرسش تری جناب میں ہے

ہمیشہ کی ہے درِ یار پر جبیں سائی
یہ بندگی بھی الٰہی کسی حساب میں ہے

پہلا شعر سحر حلال ہے۔ ایسا ہی ایک اور شعر ملاحظہ ہو ؎

عدو کے بھیس میں ہم عرضِ حال کر بیٹھے
کسی کے ساتھ قیامت کی چال کر بیٹھے

اس زمین میں جو اُستاد کی پامال کی ہوئی ہے ایسا مطلع نکالنا انھیں کا حصّہ ہے۔

ناطق گلاؤٹھوی

نام ابوالحسن۔ ایک مدت سے ناگ پور میں مقیم ہیں۔ اگرچہ استاد سے استفادہ کی مدت بہت قلیل ہے پھر بھی خداداد حسنِ طبیعت اور ذوقِ سلیم کے فیضان سے بلند پایہ شاعر ہیں۔ غالب کی کامیاب زمینوں میں بھی کامیاب غزلیں کہی ہیں اور خوب کہی ہیں۔ بڑے نکتہ شناس اور دقیقہ رس ہونے کے علاوہ بڑے خوددار اور غیور بھی ہیں۔ نمونہ کلام کے لئے ان کی غزل کا یہی جامع مصرع

دلّی میں سب ملے مجھے دلّی ملی نہیں

بہت کافی ہے۔ کچھ مثالیں اور ملاحظہ ہوں ؎

پریشاں خاطری تواے دلِ اندوہ گیں نکلی
جگر کی پھانس تھی اچھا ہوا جانِ حزیں نکلی

وہاں پہنچا دیا ہے ہم کو طوفانِ حوادث نے
جہاں گرداب میں آکر کوئی کشتی نہیں نکلی

صبحِ وصال ان کی بلا لے کے مر گئے
ہم مرتے مرتے ایک بڑا کام کر گئے

اخترؔ نگینوی

نام سید محمد اختر۔ ان کے تین دیوان ہیں۔ زبان کی صحت اور صفائی کو مقدم خیال کرنے والے نیز بہت صاف اور ہموار شعر کہنے والے تھے۔ تیسرے دیوان کا نام انوارِ اختر ہے کلام کی مثالیں ؎

تو نہ آتا جو عیادت کے لیے او ظالم
تیرے بیمار کا اللہ نگہبان ہوتا

اور دیوانگیٔ عشق میں کیا ہوتا ہے
گھر بیابان میں یا گھر میں بیابان ہوتا

گر محبت سے نہیں خیر عداوت سے سہی
اس نے دیکھا تو مجھے حال تو پوچھا میرا

کوچۂ یار میں جاتا ہوں تو اللہ رے شوق
دو قدم آگے رہا کرتا ہے سایا میرا

اخترؔ سے وہ ملتے نہیں ملتا ہے جو اختر
ملتے ہیں وہ اختر سے تو اختر نہیں ملتا

طپش مارہروی

نام محمد یوسف حسن۔ رام پور کے درباری شاعر تھے۔ لمبی عمر پائی۔ یہ دو شعر انھیں کی فکرِ بلیغ کا نتیجہ ہیں۔ ؎

شبِ غم کا مرا اک ساتھ قصہ مختصر ہونا
اِدھر دم توڑنا میرا اُدھر پیدا سحر ہونا

نگاہیں ملتے ہی یوں کام کر جانا محبت کا
نہ ان کو کچھ خبر ہونا نہ مجھ کو کچھ خبر ہونا

دلیرؔ مارہروی

بہت کہنہ مشق اور خوش کلام شاعر تھے۔ مدت تک صاحبِ فراش رہ کر وفات پائی۔ نمونۂ کلام ؎

تم رشکِ آفتاب ہو، تم رشکِ حور ہو
تم کو نہ ہو غرور تو کس کو غرور ہو

دردِ دل کیا کہے دلیرؔ اپنا
اعتبار آپ کو ہوا نہ ہوا

متینؔ مچھلی شہری

نام مولوی متین الدین احمد۔ حال ہی میں وفات پائی۔ نمونۂ کلام ؎

نگاہِ مہر اگر مجھ پر تری اے مہ جبیں ہوتی
یہ کیوں جورِ فلک ہوتا یہ کیوں دشمن زمیں ہوتی

کہوں عشق بُتاں کا راز کس سے کون سمجھے گا
کلیم اللہ مل جاتے تو ان سے گفتگو ہوتی

اللہ رے بدگمانی انھیں خط میں لکھ دیا
باتیں نہ کیجئے گا مرے نامہ بر سے آپ

محمودؔ رام پوری

نام محمود علی خاں۔ ان کے کلام پر داغ کے رنگ کی گہری چھاپ ہے۔ مثالیں ؎

میں مرگیا تو خاک بھی ان کو نہ غم ہوا
کہتے ہیں ایک چاہنے والا تو کم ہوا

جب کہا اُس نے آج کیوں چپ ہو پھر شکایت کا حوصلہ نہ ہوا
غیر بھی اب متحمل ہیں دعا دو ہم کو آ گیا تم کو سلیقہ ستم آرائی کا

حیران شکوہ آبادی

نام معلوم نہیں ہو سکا۔ محکمہ پولیس میں عہدہ دار تھے۔ رسالہ "جلوۂ حیران" کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ کلام میں پختگی، شگفتگی استادانہ شان کی ہے۔ مثالیں ؎

بے گناہی تری تکتی رہی اے زاہد
کر لیا حشر میں رحمت نے ہم آغوش مجھے

کر کے تجدیدِ محبت ابھی کھائی تھی قسم
اور ابھی بھول گیا وعدہ فراموش مجھے

کیا تری مست نگاہی نے ستم ڈھایا ہے
بزم کی بزم نظر آتی ہے مدہوش مجھے

ہوں وہ سرشارِ محبت کہ الٰہی توبہ
آئے تو آئے قیامت میں کہیں ہوش مجھے

ان تلامذہ کے علاوہ بعض اور بھی خوش فکر میرے علم میں ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کا کلام نہیں مل سکا۔ بعض اصحاب کے تو مختصر حالات بھی نہیں ملے۔ اس لیے صرف اسمائے گرامی لکھ دیتا ہوں۔ یہ حضرات بھی خاندانِ داغ کے رکنِ رکین کہے جا سکتے ہیں۔

پنڈت تربھون ناتھ زار دہلوی، فیاض فاروقی، منشی ونایک پرشاد طالب بنارسی،

فدا اگلاؤ ٹھوی، منشی حُب لال رعد گوالیاری، حسن بریلوی، باغ سنبھلی، احسن سنبھلی (رسالہ زمانہ کان پور میں کام کرتے رہے ہیں) مولوی ظفر علی خان، مولانا محمد علی جوہر ان کے بھائی گوہر رام پوری، ابوالحمید آزاد، نواب عزیز حیدر آبادی، تجلّی حیدر آبادی، میر حسن علی خاں امیر حیدر آبادی، ڈاکٹر مبارک حسین مبارک عظیم آبادی، امراؤ مرزا نادان دہلوی[1] وغیرہ۔

اس مضمون کا بہت سا حصہ میں نے ذاتی تعارف اور ذاتی معلومات کی بنا پر قلم بند کیا ہے۔ مقصودِ بیان اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ تلامذہِ داغ کی اتنی کثیر تعداد اور پھر بیان کردہ نام ور شاگردوں کے تلامذہ کی تعداد نے اردو ادب کی کتنی گراں قدر خدمت کی ہوگی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ داغ کی زبان یا یوں کہیے کہ دہلی کی صحیح اردو کو ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلا دینے کے لیے اس گراں مایہ جماعت نے کتنا بڑا کام کیا ہوگا۔ فقط

---

[1] صاحبِ مضمون بھی داغ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔
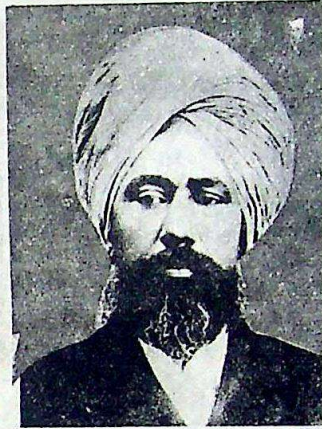
سردار گنڈا سنگھ مشرقی

لبھو رام جوش ملسیانی
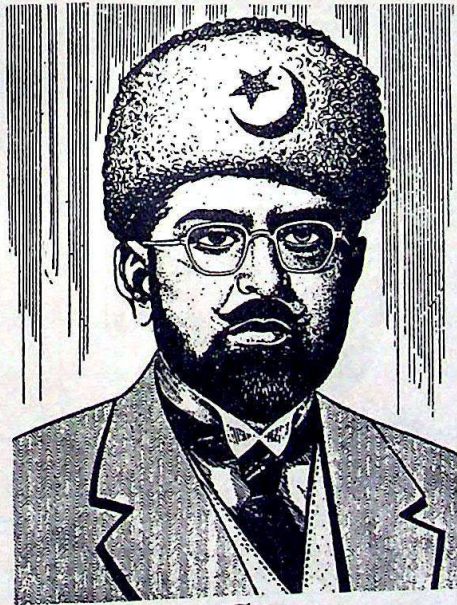
مولانا محمد علی جوہر

داغ کے آخری جانشین

جوشؔ ملسیانی

(ماخوذ از "داغ کے اہم تلامذہ" اسعد بدایونی)

جوشؔ ملسیانی داغؔ کے دورِ آخر کے ممتاز شاگردوں میں سے ایک تھے۔ ان کی پیدائش پنجاب کے ایک قصبہ ملسیان ضلع جالندھر میں ایک فروری ۱۸۸۴ء کو ہوئی۔ جوشؔ کا نام بھورام تھا۔ ذات کے برہمن تھے۔ ان کے والد پنڈت موتی رام کی پشاور کے قصہ خوانی بازار میں حلوائی کی دوکان تھی۔[1] جوشؔ کے والد چونکہ خود ناخواندہ تھے لہذا انھوں نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی کچھ توجہ نہ کی جو کچھ کماتے خرچ کر ڈالتے۔ جوشؔ کے بڑے بھائی رلیارام والد کے ساتھ دکان کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ جوشؔ اور ان کی چھوٹی بہن اپنی والدہ کے ساتھ ملسیان ہی میں مقیم تھے۔ اُن کی والدہ نے انہیں قصبہ کے پرائمری اسکول میں داخل کر دیا۔ یہاں کی تعلیم سے فراغت پائی تو شاہکوٹ (جو ملسیان کے قریب ہی دوسرا قصبہ ہے) کے ورنیکلر مڈل اسکول میں داخل ہو گئے اور ۱۸۹۷ء میں ورنیکلر مڈل کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ پھر اپنے والد کے پاس پشاور اس غرض سے چلے گئے کہ شاید وہاں کوئی ملازمت مل جائے مگر ملازمت یا کوئی دوسرا کام نہ مل سکا اور اُنہیں پشاور میں ایک ہی سال گزرا تھا کہ اُن کے والد سخت بیمار ہو گئے۔ دونوں بھائی ۱۸۹۹ء میں والد کو لے کر وطن واپس آ گئے۔ کچھ دنوں کی علالت کے بعد پنڈت موتی رام کا ۵۲ برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔[2] جوشؔ کی عمر اس وقت پندرہ برس تھی۔ جوشؔ

---

[1] کتاب نما۔ یادگارِ جوشؔ ملسیانی مالک رام ص۱۶

[2] " " " " ص۱۷

نے مدرسی کا پیشہ اختیار کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے نارمل اسکول جالندھر میں داخلہ لیا۔ ۱۹۰۱ء میں نارمل کی سند مل گئی۔ وہ اِس امتحان میں قسمت جالندھر میں اوّل آئے تھے۔ سند حاصل کرنے کے بعد وکٹر ہائی اسکول جالندھر میں مدرس ہو گئے اور دس روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی۔ سال بھر بعد سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کی ایس۔ وی کلاس میں داخلہ لیا اور ۱۹۰۳ء میں یہ سند بھی حاصل کر لی۔ بعد ازاں ضلع جالندھر کے کئی اسکولوں میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۱۳ء میں نکودر میں اُن کا تقرر ہوا۔ اور ۱۹۲۵ء میں دوبارہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے اسکول میں فارسی کے مدرسِ اول کی حیثیت سے تقرر ہو گیا۔ ملازمت کے دوران ہی منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۳۶ء میں نکودر ہی سے ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی۔ دورانِ ملازمت وہ نکودر میں اپنا ذاتی مکان بھی بنوا چکے تھے۔ اس لیے سبکدوشی کے بعد بھی وہیں اقامت گزیں رہے۔

شعر گوئی کا آغاز زمانۂ طالب علمی میں ہوا لیکن عرصہ تک کسی کو کلام نہیں دکھایا۔ داغ کے ایک مشہور شاگرد نسیم بھرت پوری کی وساطت سے ۱۹۰۲ء میں سلسلۂ تلمّذ قائم ہوا۔ مگر یہ سلسلہ صرف تین سال چل سکا کہ ۱۹۰۵ء میں داغ وفات پا گئے۔

جوش ملسیانی وضع قطع کے اعتبار سے نہایت عام آدمی معلوم ہوتے تھے۔ اُن کا قد درمیانہ تھا معمولی کپڑے کی پگڑی اور سادہ سی دھوتی اُن کا لباس تھا۔ مزاجاً بھی سراپا خلوص و انکسار تھے جو لوگ اُنہیں پہلی بار دیکھتے اُن کے ادبی مرتبے کو پہچان نہ پاتے تھے مگر جب وہ کسی مشاعرے میں غزل پڑھتے تو بقول پنڈت ہری چند اختر " نیستانِ شعر میں بپھرے ہوئے شیر کی طرح گونجتے "[۱]

جوش ملسیانی کی طبعی شرافت اور سادگی کا اعتراف ہری چند اختر نے بڑی تفصیل سے اپنے مضمون میں کیا ہے۔ جوش صاحب نہایت کفایت شعار تھے اور دوسروں کو

۱؎ نقوش۔ شخصیات نمبر ص ۹۵۲

بیجا خرچ کرتے ہوئے دیکھ کر خوش نہ ہوتے تھے۔ اُن کے وطن ملسیان سے نکودر آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے وہ عموماً یہ مسافت پیدل طے کرتے تھے۔ جبکہ سواری اس راہ پر بہ آسانی دستیاب تھی۔ اُن کے گھر سے اسٹیشن ایک میل کے فاصلے پر تھا مگر جب تک ایسا کوئی بھاری سامان ساتھ نہ ہو جسے لے جانا اُن کے بس سے باہر ہو وہ تانگے میں نہیں بیٹھتے تھے۔ جوش ملسیانی کو خود بھی اپنی درویشی و قناعت کا احساس تھا۔ شاید اسی لیے اُنہوں نے کہا تھا؂

وہ گدا ہوں تاجِ شاہی کی ہوس تو درکنار
سر چھپانے کو جگہ ڈھونڈوں ہما کو دیکھ کر

انگریزی کی تعلیم وہ باوجود کوششِ بسیار حاصل نہ کر سکے جس کا ذکر بڑے پُر لطف انداز میں ہری چند اختر نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔ یہ مضمون جوش کی زندگی ہی میں شائع ہوا تھا۔

"انگریزی نہیں جانتے تھے جوانی کے زمانے میں انگریزی پڑھنے کی کوشش کئی بار کی مگر ہر بار ایک آدھ کتاب پڑھ کر چھوڑ دی۔ پہلی دفعہ تو جج (JUDGE) اور سولجر (SOLDIER) کے ہجوں سے جی بیزار ہو گیا۔ جج میں ڈی اور سولجر میں ڈی خدا جانے کس مصلحت سے ہے۔ دوسری مرتبہ پھر شوق ہوا مگر نائٹ (NIGHT) اور ہاف (HALF) اور نو (KNOW) وغیرہ وغیرہ کے تلفظ اور بے ربط ہجوں سے پریشان ہو کر رہ گئے پھر تیسری بار احباب کی ترغیب و تحریص سے ایک ابتدائی کتاب شروع کی تو نکودر میں جہاں آپ کا قیام ہے طاعون پھیل گیا۔ چوتھی دفعہ کوشش کی تو شہر میں انفلوئنزے نے حشر ڈھا دیا یہ منحوس نتائج دیکھ کر کتاب پھینک دی اور پھر اس وہم میں مبتلا رہے کہ اگر پڑھنا شروع کیا تو خدا جانے کیا قیامت نازل ہو۔؎"

جوش ملسیانی آخر عمر تک بہ اعتبارِ صحت بالکل تندرست رہے۔ ۱۹۷۳ء میں وہ گر پڑے اور کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی اس حادثے کے بعد زیادہ چلنے پھرنے سے معذور

---

۱ ، ۲ ؎ نقوش۔ شخصیات نمبر

ہو گئے لیکن دوسرے تمام اعضاء حسبِ معمول کام کرتے رہے۔ ۲۷ر جنوری ۱۹۷۶ء کی صبح اچانک سر درد اور چکروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چند منٹ بعد اسی کیفیت میں انتقال ہو گیا۔

جوشؔ ملسیانی کی مطبوعہ تصانیفِ نظم و نثر کی فہرست یہ ہے۔

۱۔ نشترِ غیب معروف بہ سیلِ ماتم برکت علی ۱۹۰۸ء

۲۔ بادۂ سرجوش ۱۹۴۰ء ۳۔ جنون و ہوش ۱۹۵۲ء

۴۔ فروش گوش ۱۹۶۳ء ۵۔ نغمۂ سروش ۱۹۷۳ء

۶۔ دیوانِ غالبؔ مع شرح ۱۹۵۰ء ۷۔ آئینۂ اصلاح ۱۹۶۰ء

۸۔ اقبال کی خامیاں ۱۹۲۸ء ۹۔ منشوراتِ جوشؔ (مرتبہ رضاؔ)

(جناب کالی داس گپتا رضا نے جوشؔ ملسیانی صاحب کی تصانیف کی تعداد ۱۰ (دس) بتائی ہے۔ دستور القواعد فارسی، دعوتِ عمل (قومی نظمیں) اور مکتوباتِ جوشؔ ملسیانی بہ نام رضاؔ اس فہرست میں شامل ہیں۔ لیکن نشترِ غیب (طویل مسدس) اور اقبال کی خامیاں اس میں شامل نہیں۔
(حوالہ۔ رسالہ آج کل، دلی۔ شمارہ دسمبر ۱۹۸۵ء) ساحرؔ ہوشیارپوری)

جوشؔ ملسیانی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے پنجاب جیسے خطہ میں رہتے ہوئے اہلِ زبان کی کامیاب تقلید کی۔ جس زمانے میں جوشؔ کی شاعری کا آغاز ہوا وہ داغؔ و امیرؔ کی رندانہ اور زبان و محاورہ کے چٹخارے سے بھری ہوئی شاعری کے عروج کا دور تھا۔ داغؔ و امیرؔ کے تلامذہ کی کثرت نے بھی اس رنگ کو عام کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ اٹھا رکھا تھا۔ جوشؔ نے بھی داغؔ کی پیروی میں زبان و محاورہ سے بھری ہوئی شاعری کی مگر داغؔ کی رندی و سرمستی اور شوخی و طراری اُن کے یہاں نظر نہیں آتی جس کا سبب بقول ڈاکٹر گوپی چند نارنگ "اُن کی طبیعت کی سنجیدگی اور متانت ہے"۔ جوشؔ ملسیانی کے کلام میں روانی اور بے تکلفی کے عناصر بھی موجود ہیں اور اعلیٰ سنجیدگی بھی۔ جوشؔ کی شاعری پر اپنے خیالات کا اظہار ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"جوشؔ ایک باکمال صاحبِ فن شاعر تھے۔ اُن کی اہمیت اس میں ہے کہ باوجود

انتہائی غیر شاعرانہ ماحول میں پیدا ہونے کے انہوں نے فنِ شعر میں وہ کمال بہم پہنچایا کہ پورے ملک میں اُن کی اُستادی کی دھاک جم گئی ۔ لوگ ان کا ذکر احترام سے کرتے تھے ۔ اُنہوں نے جہاں ذوقؔ اور داغؔ سے استفادہ کیا وہیں حالیؔ سے بھی متاثر ہوئے ۔ لیکن فنِ شعر میں انہوں نے سادگیِ بیان، اخلاقی احساس اور ہلکے ہلکے رمز و شوخی سے اپنی راہ سب سے الگ بنائی وہ سامنے کی باتوں کو نپے تلے انداز میں استادانہ مہارت کے ساتھ بڑی صفائی، روانی اور چابکدستی کے ساتھ بیان کر جاتے ہیں ۔ کاروبارِ شوق کی آشفتگی کو انھوں نے اہمیت نہیں دی اور ساری توجہ مستیِ گفتار پر صرف کی گہری ریاضت، انہماک اور لگن سے انھوں نے زبان داں کا مرتبہ پایا اور روزمرے محاورے اور صحت و سلاست میں وہ کمال حاصل کیا کہ اس عہد کے سادہ و شیریں گو صاحبِ فن شعراء میں اُن کا نام عزت سے لیا جائے گا۔"[1]

جوشؔ ملسیانی کے نظریہ شعر کو اُن کے اس شعر کی روشنی میں بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

مجھ سے کس بات پہ اُلجھیں گے حریفانِ سخن
میں نے اُلجھا ہوا مضموں کوئی باندھا ہی نہیں

جوشؔ ملسیانی کا سارا کلام جذبات و احساسات کے سیدھے سادے، پاکیزہ اور پُر تاثیر بیان سے عبارت ہے ۔ پروفیسر آل احمد سرورؔ نے جوشؔ کے متعلق لکھا ہے کہ ۔

"آپ نے نہ صرف داغؔ کی روایت کو سلیقے سے نبھایا بلکہ دورِ حاضر کے سوز و گداز کو بھی دل نشیں اور پُر کیف انداز سے پیش کیا۔"[2]

جوشؔ ملسیانی کی شاعری اپنے زمانے کی آواز تھی، ہر زمانہ اپنے مزاج و معیار کے اعتبار سے گزشتہ اور آنے والے زمانے سے مختلف ہوتا ہے کل جو باتیں اہم تھیں آج اُن

---

[1] کتاب نما ۔ یادگار جوشؔ ملسیانی ص ۴۳

[2] مضمون شارب ردولوی مشمولہ کتاب نما یادگار جوشؔ ص ۷۹

کی کوئی وقعت نہیں اور آج جو بے شمار نظریات وخیالات رائج ہیں آئندہ اُن میں سے بہت سے قابلِ اعتنا نہیں ٹھہریں گے۔ جوش ملسیانی کی شاعری کے بیشتر موضوعات بھی قصۂ پارینہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمارے عہد کے شعری مزاج سے میل نہیں کھاتے۔ مگر اُن کی استادانہ مہارت، قادر الکلامی اور کہنہ مشقی مسلّم ہے اُن کے کلام کا مطالعہ اگر اس نظر سے کیا جائے کہ عروض وقواعد اور محاورہ وضرب الامثال کا بے ساختہ استعمال کیسے ہوا ہے تو وہ نئی نسل کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگا۔ اُن کے کلام کو عصرِ حاضر کے معیاروں کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش سعئ لاحاصل کے مترادف ہوگی۔

جوش ملسیانی نے غزل کے علاوہ دیگر اصناف میں بھی شاعری کی ہے اور حتی المقدور مضمون آفرینی سے بھی کام لیا ہے لیکن وہ اس روایت سے باہر نہیں نکل سکے جو زبان و بیان کے جامد اُصولوں سے عبارت ہے۔ ہرچند اُن کے یہاں پند وموعظت کے اشعار بھی ہیں اور اخلاقیات کی تبلیغ بھی مگر اُن سب میں کسی خاص بصیرت یا ترفع کے آثار نظر نہیں آتے اور ایسی شاعری اُن کے مقام ومرتبے میں کسی قسم کے اضافے کا سبب نہیں بنتی۔ یہی حال اُن کی بیشتر نظموں کا ہے جو سیاسی اور سماجی مسائل پر لکھی گئی ہیں۔ قادر الکلامی اور کہنہ مشقی کی وجہ سے نظموں میں بے ساختگی تو پیدا ہوگئی ہے مگر کوئی گہرائی نہیں پائی جاتی۔

جوش ملسیانی کی غزلوں میں جو عنصر سب سے اہم ہے وہ صاف ستھرا انداز بیان ہے۔ اُن کی غزلوں کو پڑھنے کے بعد ذہن پر کسی قسم کا بار نہیں پڑتا اردو شاعری میں صدیوں سے رائج الفاظ ومحاورات اور موضوعات کو اُنھوں نے بھی حتی المقدور اپنے اشعار میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ رعایتِ لفظی جو اردو شاعری کے ابتدائی دور سے لے کر ماضی قریب تک رائج رہی ہے۔ جوش کی غزلوں میں بھی ملتی ہے۔ یعنی گُل کے ساتھ چمن، جبر کے ساتھ اختیار دوام کے ساتھ زندگئ مستعار وغیرہ۔ چند اشعار دیکھئے۔

چارۂ دل سوائے صبر نہیں
جبر میں اختیار کیا معنے

راحت و رنج کیوں ہیں دوش بدوش
گل کے پہلو میں خار کیا معنے
وہ کرم کر جسے دوام بھی ہو
زندگیِ مستعار کیا معنے

جوؔش ملسیانی کی شاعرانہ عظمت جن عناصر سے تشکیل پاتی ہے اُن کا بیان شارب ردولوی نے اس طرح کیا ہے۔

"اس میں شک نہیں کہ جوؔش ملسیانی اپنی شاعرانہ صفات، مہارتِ کلام، صحتِ زبان، سادگیٔ حسنِ بیان اور لطیف و پاکیزہ تشبیہات و استعارات کے لیے اردو شاعری میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔"

شعر میں یہ سادگی اے جوؔش پھر یہ دلکشی
آپ کی بے رنگیاں بھی رنگ ہیں تصویر میں[1]

قبلہ جوؔش ملسیانی کی وفات (۲۷ جنوری ۱۹۷۶ء) کے بعد بھی، تادمِ تحریر، ان کی تین کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ لہٰذا یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ ان کی جملہ مطبوعہ تصانیف کی فہرست از سرِ نو مرتب کر دی جائے۔ جو حسبِ ذیل ہے:

۱۔ نشترِ غیب۔ طویل نظم، ۱۹۰۸ء ۲۔ اقبال کی خامیاں۔ پہلا ایڈیشن، ۱۹۲۸ء۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۷ء
۳۔ بادۂ سرجوش۔ مجموعہ کلام، ۱۹۴۰ء ۴۔ جنون و ہوش۔ مجموعۂ کلام، ۱۹۵۲ء ۵۔ فردوسِ گوش۔ مجموعہ کلام، ۱۹۶۱ء ۶۔ دعوتِ عمل۔ قومی نظمیں ۷۔ دستور القواعد فارسی، ۴۷۔ ۱۹۴۶ء
۸۔ شرح دیوانِ غالب، ۱۹۵۰ء (اس کے پانچ ایڈیشن شائع ہوئے) ۹۔ آئینۂ اصلاح، شاگردوں کے کلام پر اصلاحات معہ توجیہہ، ۱۹۶۰ء ۱۰۔ نغمۂ سروش۔ مجموعہ رباعیات، ۱۹۷۳ء۔
۱۱۔ مکتوباتِ جوؔش ملسیانی بہ نامِ رضاؔ، مرتبہ کالی داس گپتا رضا، اگست ۱۹۷۶ء
۱۲۔ منثوراتِ جوؔش ملسیانی۔ مضامین، مرتبہ کالی داس گپتا رضا ۱۹۷۷ء ۱۳۔ لوح و قلم۔ مضامین ناشر بھاشا وبھاگ پنجاب، پٹیالہ، ۱۹۸۹ء

ساحر ہوشیارپوری

---

[1] یادگارِ جوش، کتاب نما ص ۷۹

انتخابِ کلام

جوؔش ملسیانی

لطف تھا گرداب کے چکر میں دورِ جام کا
آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا میں نے ساحل کی طرف
خضر نے بھی ہار تھک کر جب رفاقت چھوڑ دی
لے چلی گم کردہ راہی مجھ کو منزل کی طرف

اب مرے سوزِ محبت سے یہ بیزاری ہے کیوں
پہلے اس شعلے کو بھڑکایا تھا کس نے، آپ نے
آپ ہی کو کھولنے ہوں گے مری قسمت کے پیچ
رشتۂ الفت کو الجھایا تھا کس نے، آپ نے

اب ہم بھی کچھ اظہارِ تمنا نہ کریں گے
وہ روٹھ گئے ہیں تو ہمارا بھی خدا ہے
اے مستِ رعونت یہ جوانی نہ رہے گی
جس حسن پہ نازاں ہے وہ پر تول رہا ہے

کچھ جذبۂ صادق ہو کچھ اخلاص و ارادت
اس سے ہمیں کیا بحث وہ بُت ہے کہ خدا ہے

اب تمہاری چارہ سازی کا بھرم کھُلنے کو ہے
لوگ کہتے ہیں مریضِ غم کا حال اچھا نہیں
بدنصیبی، بدنصیبی ہے مگر اتنا بھی کیا
کوئی دن کوئی مہینہ، کوئی سال اچھا نہیں

ہوئے وہ مہرباں مجھ پر یہ سب کہنے کی باتیں ہیں
یہی دمسازیاں دم پر بنا دینے کی گھاتیں ہیں
سیہ بختی نے کی ہے زندگی تاریک تر اتنی
ہمارے غم کدے میں دن نہیں راتیں ہی راتیں ہیں

وعدہ تو کر گئے ہیں وہ لیکن
خوف ہے پھر اگر مگر نہ کریں

لبِ تقریر ترے سامنے وا بھی نہ کریں
اس کا مطلب ہے کہ ہم شکرِ جفا بھی نہ کریں

اُمید پہ موقوف ہے جاں بازیٔ الفت
دل بیٹھ گیا ہو تو ستم اُٹھ نہیں سکتا

اتنی خوشی ہوئی ہے ترے التفات کی
عمر گزشتہ مانگ رہے ہیں خدا سے ہم

مولانا محمد علی جوہر

مولانا محمد علی جوہر نے ۱۰ دسمبر ۱۸۷۸ء کو رام پور کے ایک خوش حال، باذوق اور ذی علم خانوادے میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں اس خاندان نے ریاست رام پور اور انگریزوں کی بہت خدمات انجام دی تھیں۔ اس بنا پر یہ خاندان کافی بااثر تھا۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ خوش حال گھرانوں کے نوجوان وقت گزاری کے لیے فنونِ لطیفہ اور شعر و شاعری کو مشغلہ بناتے ہیں۔ اس گھرانے میں بھی ایسا ہی ہُوا۔ حضرت داغ دہلوی رام پور دربار سے وابستہ تھے اور اسی محلّے میں قیام پذیر تھے جس میں محمد علی کا خاندان رہتا تھا۔ اس محلّے کے اور ان کے خاندان کے کچھ نوجوان داغ صاحب کے اور کچھ امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ گھر پر ماہانہ مشاعرہ منعقد ہوتا تھا جس کی رُوداد بھی شائع ہوتی تھی۔ محمد علی کا ذہن یقیناً اس ماحول سے متاثر ہُوا ہوگا۔

محمد علی مارچ ۱۸۸۸ء میں چند ماہ مدرسۂ انگریزی رام پور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد بریلی چلے گئے۔ وہاں سے ۱۸۹۰ء میں علی گڑھ منتقل ہوئے اور ۱۸۹۲ء میں میٹرک کا امتحان دیا۔ قیامِ علی گڑھ کے دوران محمد علی کا ذوقِ شعری پروان چڑھا اور انھوں نے اردو اور انگریزی میں نظمیں لکھیں۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی، شاعری پر شباب آتا گیا۔

بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں محمد علی مُلکی سیاست میں داخل ہوئے اور لوکمانیہ تلک اور مہاتما گاندھی جی کے شانہ بہ شانہ کام کرتے ہوئے ایک رہنما کی صورت میں سامنے آئے۔ اُنھوں نے قومی اور سیاسی کام اپنے قلم سے شروع کیا۔ "کامریڈ" ہفت روزہ انگریزی میں اور روزنامہ "ہمدرد" اردو میں جاری کیا۔ وہ کانگریس کے صدر بھی رہے۔

جہاں تک تلمذ کا سوال ہے محمد علی جوہر اپنے بڑے بھائی ذوالفقار علی گوہر سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ گوہر صاحب داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ اس لحاظ سے جوہر صاحب بھی دبستانِ داغ سے وابستہ ہیں۔ محمد علی بچپن ہی سے بہت ذہین تھے جس کی وجہ سے خود داغ صاحب بھی انھیں بہت پسند کرتے تھے۔ یہ اکثر گوہر صاحب کے ساتھ داغ صاحب کے یہاں بچپن میں جایا کرتے تھے اور داغ کو انھیں کے اشعار سنایا کرتے تھے اور داغ صاحب خوش ہو کر انھیں مٹھائی کھلاتے تھے۔

محمد علی جوہر کا منتخب کلام ۱۹۲۳ء میں "عرضِ جوہر" اور ۱۹۳۶ء میں "مجموعۂ کلام جوہر" کے نام سے شائع ہوا۔ یہی کلام ۱۹۸۳ء میں "سخنِ جوہر" کے نام سے لکھنؤ سے شائع ہوا۔ یہاں اُن کا وہ کلام درج کیا جاتا ہے جو ان تینوں مجموعوں میں شامل نہیں اور اس اعتبار سے نودریافت کلام کا انتخاب ہے۔

لہ پروفیسر سیّد محمد علی زیدی نے "مطالعۂ داغ" میں شاگردانِ داغ کی جو فہرست مرتّب کی ہے۔ اس میں محمد علی جوہر کا نام بھی شامل کر دیا ہے جو درست نہیں۔

اخذ و تلخیص

"ہماری زبان" نئی دہلی شمارہ ۳۲۔ جلد ۴۵۔ ۲۲ر اگست ۱۹۸۶ء "نودریافت کلام جوہر"

از حکیم محمد حسین خاں شفا

"قومی آواز" دہلی۔ ۳ر جنوری ۱۹۸۸ء

مولانا محمد علی جوہر

غزل

دل کو ہلاکِ جلوۂ جاناں بنائیے
اس بت کدے کو کعبۂ ایماں بنائیے

طوفان بن کے اُٹھیے جہانِ خراب میں
ہستی کو اِک شرارۂ رقصاں بنائیے

دوڑائیے وہ روح کہ ہر ذرّہ جاگ اٹھے
اُجڑے ہوئے وطن کو گلستاں بنائیے

پھر دیجئے نگاہ کو پیغامِ جُستجو
منزل سے کیوں نظر کو گریزاں بنائیے

آخر تو ختم ہوں گی کہیں قید کی حدیں
یوسف کو آپ رونقِ زنداں بنائیے

پھر اپنے دل میں کیجئے پیدا کوئی تڑپ
پھر مشکلِ حیات کو آساں بنائیے

جوہر اسیریوں کی کوئی انتہا بھی ہے
آزاد اِک نظامِ پریشاں بنائیے

غزل

کس سے آزردہ مرے قاتل کا خنجر ہو گیا
کیا ہوا جو آج یوں جامے سے باہر ہو گیا

میرا شہرہ آج اِک عالم میں گھر گھر ہو گیا
تیرے ہاتھوں مجھ کو قاتل یہ میسّر ہو گیا

کیوں نہیں ملتا ابھی تک تشنہ لب ہیں بادہ خوار
کیا تیرا ساغر بھی ساقی جامِ کوثر ہو گیا

اس قدر وحشت بھی اے دستِ جنوں کس کام کی
تیرے ہاتھوں میرا جینا بھی تو دوبھر ہو گیا

جوشِ وحشت کا ارادہ تھا کہ عریاں ہی رہے
بارے مرکر اِک کفن مجھ کو میسّر ہو گیا

اُس کی رسوائی کا بھی آیا نہ تجھ کو کچھ خیال
کس قدر بیباک تو اے دیدۂ تر ہو گیا

مژدہ اے گنجِ شہیداں تیرے بھی دن پھر گئے
آج دل برداشتہ دنیا سے جوہر ہو گیا

اُردو کا پہلا سِکھ شاعر

سردار گنڈا سنگھ مشرقی

سردار گنڈا سنگھ مشرقی ۱۲؍اگست ۱۸۵۷ء کو بمقام روپڑ (پنجاب) ایک معروف و معزز رام گڑھیا خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد بھائی بشن سنگھ ریاست روپڑ کے راجہ بھوپ سنگھ کے عہدِ حکومت میں راج گرنتھی اور ممبر کونسل تھے۔ وہ ایک سماجی کارکن بھی تھے۔ جنھوں نے ادبی اور علمی سطح پر بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ کے جدِ امجد بھائی باگھ سنگھ بھی ریاست روپڑ کے راجہ ہری سنگھ کے عہد میں راج گرنتھی اور ممبر کونسل تھے۔ وہ سنسکرت کے سکالر بھی تھے۔ لہٰذا مشرقی صاحب کو سماجی خدمات کا جذبہ اور علمی و ادبی استعداد کا سرمایہ اپنے آبا و اجداد سے ورثہ میں ملا۔ آپ اردو، فارسی اور انگریزی کے سکالر تھے اور ایک ممتاز شاعر بھی۔ آپ اُس دَور میں پیدا ہوئے جب تحریکِ جنگ آزادی زوروں پر تھی۔ جسے کچلنے کے لیے انگریز حکومت ہزاروں بے گناہ اور معصوم ہندوستانیوں کو اپنی گولی کا شکار بنا رہی تھی۔ اس ماحول نے مشرقی صاحب کی قومی غیرت کو بیدار کر دیا اور اپنے والدِ ماجد بھائی بشن سنگھ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آپ بھی ایک مجاہد کی مانند انگریزی حکومت کے خلاف آزادیِ وطن کی تحریک میں سرگرمِ عمل ہو گئے۔ ایک اہم سرکاری عہدہ پر فائز ہوتے ہوئے بھی آپ نے برطانوی حکومت کے خلاف ۲۴۵ مضامین لکھے۔ جو اِس دَور کے مشہور اخباروں میں شائع ہوئے۔

آپ غیر معمولی ذہانت اور شعری صلاحیت کے مالک تھے۔ ۲۲ سال ہی کی عمر میں اِن کی نظم و نثر کے کارناموں کی دھوم مُلک کے اطراف و جوانب میں مچ گئی جس کی تصدیق مدیر "میرِ اعظم"

(مراد آباد) مورخہ ۹ جنوری ۱۸۷۹ء اور مدیر و مہتمم "مطبع قیصری" مورخہ ۲۹ مارچ ۱۸۸۲ء کی شائع شدہ تحریروں سے ہوتی ہے۔ مقبول اور مشہور رسائل "برادرِ ہند" (لاہور) اور "الاخبار" مظفر گڑھ (اودھ) نے بھی مشرقی صاحب کی نگارشات کو بہت سراہا ہے۔

منشی رادھا کشن جو مڈل سکول روپڑ میں مدرس تھے مشرقی صاحب کے معلم تھے۔ منشی رادھا کشن لالہ لاجپت رائے کے والد تھے۔ مڈل پاس کرنے کے بعد جب مشرقی صاحب بھی سکول میں مدرس مقرر ہوئے تو لالہ لاجپت رائے نے ان سے تعلیم حاصل کی۔ مشرقی صاحب اور رادھا کشن کے جذباتِ وطن پرستی نے لالہ لاجپت رائے پر گہرا اثر چھوڑا۔

مشرقی صاحب کو ویدانت کے فلسفے سے بھی لگاؤ تھا لیکن اُن کی یہ خواہش کہ وہ آریہ سماج کے بانی مہرشی سوامی دیانند سے استفادہ کر سکیں، پوری نہ ہو سکی۔ اس سلسلے میں سوامی جی کا اِن کے نام اردو میں لکھا ہوا خط (جس پر دستخط ہندی میں کیے گئے ہیں) نمبر ۶۵۵ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۸۷۸ء صوبہ دار نرائن سنگھ (مرحوم) گرنتھی باغ، روپڑ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

مشرقی صاحب ایک عظیم شاعرانہ شخصیت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مجاہدِ آزادی اور سرگرم سوشل ورکر بھی تھے۔ آپ آریہ سماج، سنگھ سبھا اور دیگر مختلف سماجی انجمنوں کے ہراول دستے میں رہے۔ ہندو مسلم اتحاد کی تحریک کو مضبوط بنانے کے لیے مارچ ۱۸۸۸ء میں معزز سماجی کارکنوں کی میٹنگ "انجمن تہذیب" کے تحت مقرر کی گئی، اس ۱۵ رکنی کمیٹی کے وہ سیکرٹری منتخب ہوئے۔ آپ ۳۰ نومبر ۱۸۹۵ء کو لاہور میں منعقدہ عظیم مشاعرے کے سیکرٹری بھی تھے جس میں ملک کے نامور اور ممتاز شعراء نے شرکت کی تھی۔ اور جس کی روداد "شورِ محشر" کے عنوان سے مختلف مشہور اخبارات میں شائع ہوئی۔

آپ نے مروجہ روایت کے تحت ۱۹۰۲ء میں حصولِ فن کے لیے بلبلِ ہند، جہاں استاد، فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ دہلوی کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا۔ داغ صاحب نے اس کی منظوری خط نمبر ۱۶۳۹ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء کے ذریعے ارسال فرمائی۔ مشرقی صاحب کا کلام (حضرت داغ کا اصلاح کردہ) متواتر گلدستہ "معیار الانشا" (حیدر آباد) اور رسالہ "فصیح الملک"، منگل، لاہور اور دیگر مختلف اخبارات و رسائل میں اشاعت پذیر ہوتا رہتا تھا۔

مشرقی صاحب نے گُورُو نانک دیوجی مہاراج کی جنم ساکھی ۱۸۸۳ء میں مرتب کی اور اردو میں طبع کرائی۔ مشرقی صاحب متعدد تصانیف کے خالق ہیں۔ گورُو نانک دیوجی کی تصنیف "جپ جی صاحب" کا اردو میں ترجمہ ان کا عظیم ادبی کارنامہ ہے۔ یہ کتاب ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی اور مفت تقسیم کی گئی۔ اِس کا دُوسرا ڈی لکس ایڈیشن مشرقی صاحب کے پوتے سردار کلونت سنگھ نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا ہے۔ اِس کے علاوہ ان کی چند اہم اردو تصانیف میں "شوکت خالصہ"، "آزاد فقیر کی گفتگو"، "بگلہ بھگت نامہ"، "پنجابی کوِتا"، "مراۃ الاسرار"، "دو شہید صاحبزادے" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ مشرقی صاحب اپنی دو اہم تخلیقات (ا) "دیوانِ مشرقی" (مجموعہ کلام) اور "مرقعِ خیالات" (نثری مضامین) کی ترتیب و تدوین کر رہے تھے کہ اچانک ۱۲ر اپریل ۱۹۰۹ء کو ۵۲ سال کی عُمر میں اِس دارِ فانی سے راہیِ مُلکِ عدم ہو گئے۔ اور اُن کی مذکورہ کتابیں اُن کی زندگی میں منصۂ شہود پر نہ آسکیں۔ مشرقی صاحب کے فرزندِ ارجمند صوبہ دار نرائن سنگھ نے اِن کو از سرِ نو ترتیب دِیا اور "دیوان مشرقی" اور "مرقعِ خیالات" کو شائع کرنے کا عزم کیا۔ لیکن ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد وہ بھی ۱۹۶۸ء میں اِس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اور اُن کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اب سردار کلونت سنگھ (سیکرٹری سابق صدر جمہوریۂ ہند، گیانی ذیل سنگھ) فرزندِ ارجمند صُوبہ دار نرائن سنگھ (مرحُوم) مشرقی صاحب کی اِن تصانیف کی اشاعت کا کام صوبہ دار نرائن سنگھ میموریل سوسائٹی گرنھتی باغ روپڑ (پنجاب) جس کے وہ آنریری سیکرٹری ہیں، کے تحت سرانجام دینے میں کوشاں ہیں۔

مشرقی صاحب کے رشتۂ تلمذ کے سلسلے میں داغ صاحب کے خط کا متن حسبِ ذیل ہے

خط نمبر ۱۶۳۹ - ۱۸ر اکتوبر ۱۹۰۳ء

میرے عنایت فرما گنڈا سنگھ صاحب مشرقی سلمہٗ

آج تُمہارا خط آیا۔ تمہاری طبیعت کو رسا پایا۔ تُم اپنا کلام بھیجو گے میں ضرور دیکھوں گا۔ مگر ایک غزل سے زیادہ نہ ارسال ہُوا کرے۔ مجھ کو چند چیزوں کی قیمت پوچھنی ہے۔ وہو ہذا، مومیائی، سلاجیت، مُشکِ خالص وغیرہ"

نمونۂ کلام ــــــــ گنڈا سنگھ مشرقی

نالہ شبِ فراق جو کوئی نکل گیا
جوشِ جنوں سے چیر کے چرخ و زحل گیا

پوچھا مزاج اس کا جو رشکِ مسیح نے
لے کر مریضِ عشق سنبھالا سنبھل گیا

نکلی زبانِ شمع سے کیا بات رات کو
سنتے ہی جس کو بزم میں پروانہ جل گیا

عہدِ شباب چشم زدن میں ہوا تمام
جھونکا تھا اک نسیم کا آ کر نکل گیا

دارِ فنا میں کون ہے جس کو قیام ہے
کوئی یہاں سے آج گیا کوئی کل گیا

کیسا ہی کوئی کیوں نہ ہو چالاک شہسوار
گزرا جو راہِ عشق میں وہ سر کے بل گیا

اب آئی رات دیکھیں گزرتی ہے کس طرح
بندہ نواز دن تو بہانوں میں ٹل گیا

یہ طائرِ نفس بھی تو واپس نہ آئے گا
جب چھوڑ کر بدن کے قفس سے نکل گیا

لطفِ کلامِ مشرقی اس کو رہا بھی یاد
سُن کر مشاعرہ میں جو میری غزل گیا

کوئی اُس سے نہیں کہتا کہ یہ کیا بے وفائی ہے
چُرا کر دل مرا اب آنکھ بھی اپنی چُرائی ہے

اُٹھو اے میکشو آباد مے خانہ کریں چل کر
ذرا دیکھو تو کیا کالی گھٹا گھنگھور چھائی ہے

بُتوں کے عشق سے ہم باز آئے ہیں نہ آئیں گے
نہیں پروا ہمیں دشمن اگر ساری خدائی ہے

نشانہ دل کو دشمن کے بنائیں گے اُسی سے ہم
وہ کہتے ہیں تری آہِ رسا تیرِ ہوائی ہے

بگڑ کر غیر سے تم آئے ہو ہم یہ سمجھتے ہیں
ہمارے سامنے بے وجہ کیوں صورت بنائی ہے

ہر اِک مشکل سے مشکل کام بنتا ہے بنانے سے
مگر بگڑی ہوئی قسمت کسی نے کب بنائی ہے

خبر سُن کر مرے مرنے کی وہ کہنے لگے ہنس کر
کسی دشمن نے شاید یہ خبر جھوٹی اُڑائی ہے

گلوں کو نغمۂ بُلبُل سنائی تک نہیں دیتا
ترے دیوانوں نے وہ دھوم گلشن میں مچائی ہے

دلِ عاشق میں ہو اے مشرقی گر جذبِ دل کامل
وہ بت پھر کیوں نہ مائل ہو کوئی گھر کی خُدائی ہے

کچھ بدگمانیاں ہیں کچھ بدزبانیاں ہیں
مدّت سے اُن کی ہم پر یہ مہربانیاں ہیں

آتا ہے جب کسی پر رُکتا نہیں ہے ہرگز
مانندِ موجِ دریا دل کی روانیاں ہیں

پیدا کہاں ہیں ہوتے اب ذوقؔ اور غالبؔ
ہاں داغؔ اور حالیؔ اُن کی نشانیاں ہیں

جو پاس تھا وہ کھویا نامِ سلف ڈبویا
کیا خاک اپنی اے دل اب زندگانیاں ہیں

اے دل نہ چھیڑ قصّہ ہو درد جس سے پیدا
یہ شعر خوانیاں ہے یا نوحہ خوانیاں ہیں

کیا ہم نے یہ نکالی طرزِ غزل نرالی
کچھ گُل فشانیاں ہیں کچھ خوں فشانیاں ہیں

بادِ خزاں نے گلشن ویراں کیا ہے سارا
بُلبُل کی اب کہاں وہ رنگیں بیانیاں ہیں

جور و جفا کے ایسے ہم ہو گئے ہیں خُوگر
نامہربانیاں بھی اب مہربانیاں ہیں

اے مشرقی جہاں میں دیکھا یہی تماشا
کچھ ماتم و الم ہے کچھ شادمانیاں ہیں

کالی گھٹا کب آئے گی فصلِ بہار میں
آنکھیں سفید ہو گئیں اس انتظار میں

کیوں کر قرار آئے دلِ بے قرار میں
تم پورے کب اُترتے ہو قول و قرار میں

تاریک دشت ہو گیا آنکھوں میں قیس کی
پنہاں ہوا جو ناقۂ لیلیٰ غبار میں

آئے کبھی نہ پھر تجھے سیرِ چمن میں لطف
بیٹھے اگر تو آکے دلِ داغدار میں

لازم نہیں کہ مرد مصیبت میں ہو ملول
خنداں ہمیشہ رہتا ہے گُل خارزار میں

ہے یہ کسی کی چشمِ سیہ مست کا اثر
توبہ بھی لڑکھڑانے لگی ہے بہار میں

ہوتے وہاں جو داغؔ تو دلّی بھی دیکھتے
اب کیا کریں گے جا کے اُس اُجڑے دیار میں

کیا خاک اپنے دل کو تمنّائے شیرؔ ہو
جز خار کچھ نہیں چمنِ روزگار میں

جز داغؔ آج بلبلِ ہندوستاں ہے کون
کہتے ہیں ہم پکار کے یہ سو ہزار میں

اے مشرقیؔ نصیب نہ سوئے، دعا ہے یہ
کیا غم جو جاگتا ہوں شبِ انتظار میں

فہرست شعراء

نقوشِ داغؔ

(جلد اوّل)

نمبر شمار	اسمائے گرامی	عمر	تلمیذ	صفحہ نمبر
۱۷	بشن داس زارؔ مرحوم (وفات ۱۹۸۸ء)	۸۱ برس	جوشؔ ملسیانی	۱۴۰
۱۸	ہنس راج سچدیو حزیںؔ	۷۶ ″	بشن داس زارؔ	۱۴۳
۱۹	ساحرؔ سیالکوٹی مرحوم وفات ۱۹۸۴ء)	۷۸ ″	جوشؔ ملسیانی	۱۴۶
۲۰	آر۔ ڈی۔ شرما تاثیرؔ	۵۴ ″	ساحرؔ سیالکوٹی	۱۴۹
۲۱	جگرؔ جالندھری	۵۴ ″	″	۱۵۲
۲۲	اجیت کمار دلؔ	۵۱ ″	″	۱۵۵
۲۳	سُکھ دیو شرما رشکؔ	۵۵ ″	″	۱۵۸
۲۴	کے۔ کے۔ رشیؔ	۵۲ ″	″	۱۶۱
۲۵	سحرؔ پریمی	۵۵ ″	″	۱۶۴
۲۶	نازؔ لائل پوری	۴۷ ″	″	۱۶۷
۲۷	نریش کمار دردؔ	۳۰ ″	نازؔ لائل پوری	۱۷۰
۲۸	ستیہ پرکاش سالکؔ (وفات ۱۹۸۹ء)	۸۲ ″	جوشؔ ملسیانی	۱۷۳
۲۹	اعجازؔ وارثی	۷۸ ″	احسنؔ مارہروی	۱۷۶
۳۰	مطلوب حُسین اجملی آہؔ مرحوم (وفات ۱۹۹۰ء)	۵۰	اعجاز وارثی	۱۸۰
۳۱	پرویز عالم پرویزؔ	۳۰ ″	″	۱۸۲
۳۲	فضل الرحمٰن شفقؔ	۵۶ ″	″	۱۸۴
۳۳	محمد شکیلؔ جعفری	۴۴ ″	″	۱۸۶
۳۴	گلزار ملک	۳۱ ″	″	۱۸۸
۳۵	عبدالرحیم وارثی نورؔ	۶۳ ″	″	۱۹۰
۳۶	مشرف حسین وفاؔ	۶۵ ″	″	۱۹۲
۳۷	ڈاکٹر پرکاش مونسؔ	۷۸ ″	باغؔ سنبھلی	۱۹۴

نمبر شمار	اسمائے گرامی	عمر	تلمیذ	صفحہ نمبر
۳۸	خزان چند بسیم مرحوم (وفات ۱۹۸۴ء)	۷۳ برس	جوش ملسیانی	۱۹۸
۳۹	رگھوناتھ سہائے اُمید	۷۵ ″	خزان چند بسیم	۲۰۱
۴۰	اوپیندر ناتھ اشک	۷۸ ″	محمد علی آذر	۲۰۴
۴۱	منوہر لال دِل	۷۷ ″	جوش ملسیانی	۲۰۸
۴۲	صغیر احمد صغیر احسنی	۷۷ ″	احسن مارہروی	۲۱۱
۴۳	مظفر حُسین دولت	۵۹ ″	صغیر احمد صغیر احسنی	۲۱۴
۴۴	ضیاء فتح آبادی مرحوم (وفات ۱۹۸۶ء)	۷۳ ″	سیماب اکبرآبادی	۲۱۶
۴۵	ستیہ پال جانباز	۵۵ ″	ضیا فتح آبادی	۲۲۱
۴۶	ساحر ہوشیارپوری	۷۶ ″	جوش ملسیانی	۲۲۳
۴۷	دھنپت رائے راز لائل پوری	۶۹ ″	ساحر ہوشیارپوری	۲۲۷
۴۸	امرت لال عشرت	۵۹ ″	″	۲۳۰
۴۹	موہن جاودانی	۵۰ ″	″	۲۳۳
۵۰	شیدا انبالوی	۷۳ ″	جوش ملسیانی	۲۳۶
۵۱	رِشی پٹیالوی	۷۲ ″	نسیم نور محلی	۲۳۹
۵۲	خموش سرحدی مرحوم (وفات ۱۹۸۸ء)	۷۱ ″	سیماب اکبرآبادی	۲۴۲
۵۳	ساحر سرحدی	۶۰ ″	خموش سرحدی	۲۴۵
۵۴	واسدیو طالب ساہنی	۶۱ ″	″	۲۴۷
۵۵	اوم پرکاش لاغر	۶۵ ″	″	۲۴۹
۵۶	ہربنس لال نسیم کاشمیری مرحوم (۱۹۸۵ء)	۷۰ ″	جوش ملسیانی	۲۵۲
۵۷	شمس الحسن کنول ڈبائیوی	۷۰ ″	ابر احسنی	۲۵۵
۵۸	صابر ابوہری	۷۰ ″	نسیم نور محلی	۲۵۸

نمبر شمار	اسمائے گرامی	عمر	تلمیذ	صفحہ نمبر
۵۹	کنولؔ انبالوی مرحوم (وفات ۱۹۸۴ء)	۶۳ برس	جوشؔ ملسیانی	۲۶۱
۶۰	مدن موہن موہنؔ	۶۸ "	"	۲۶۴
۶۱	نیرؔ امرتسری	۶۸ "	"	۲۶۷
۶۲	عزیزؔ وارثی مرحوم (وفات ۱۹۸۹ء)	۶۸ "	نوحؔ ناروی	۲۷۰
۶۳	سلطانؔ نظامی	۶۶ "	ابرؔ احسنی	۲۷۳
۶۴	نسیم انور انورؔ	۵۹ "	سلطانؔ نظامی	۲۷۶
۶۵	رازؔ سکندرآبادی	۵۳ "	"	۲۷۸
۶۶	محمد امیر خاں رونقؔ امروہوی	۵۵ "	"	۲۸۰
۶۷	شعلہؔ خورجوی	۶۲ "	"	۲۸۲
۶۸	جے کشن شیداؔ	۷۰ "	"	۲۸۴
۶۹	محمد اسلام سلمانی قمرؔ	۳۰ "	"	۲۸۶
۷۰	ابوالقاسم مخلصؔ	۵۹ "	"	۲۸۸
۷۱	محمد ادریس مضطربؔ	۵۸ "	"	۲۹۰
۷۲	روح الاسلام کفیلؔ گنوری	۶۵ "	رمزؔ آفاقی	۲۹۲
۷۳	شریف احمد شریفؔ	۴۵ "	کفیلؔ گنوری	۲۹۵
۷۴	شوکت علی شوکتؔ	۴۰ "	"	۲۹۷
۷۵	یوگندر پال صابرؔ	۶۴ "	ابرؔ احسنی	۲۹۹
۷۶	کالی داس گپتا رضاؔ	۶۴ "	جوشؔ ملسیانی	۳۰۲
۷۷	کیلاش ناتھ میکشؔ	۶۳ "	"	۳۰۷
۷۸	محمد الیاس تنویرؔ	۴۹ "	کیلاش ناتھ میکشؔ	۳۱۰
۷۹	محمد یاسین صادقؔ دہلوی مرحوم (وفات ۱۹۸۶ء)	۶۰ "	مخمورؔ دہلوی	۳۱۲

نمبر شمار	اسمائے گرامی	عمر	تلمیذ	
۸۰	گیان چند منصور	۶۳ برس	نسیم نورمحلی	۳۱۷
۸۱	جولیس نحیف دہلوی	۶۲ "	موج زیبائی	۳۲۰
۸۲	ابوالفرح فرحت قادری	۶۱ "	ابر احسنی	۳۲۲
۸۳	انور حسین انور مینائی	۴۱ "	فرحت قادری	۳۲۵
۸۴	بیکل اُتساہی بلرام پوری	۶۱ "	جگر مُرادآبادی	۳۲۷
۸۵	برہمانند جلیس	۵۹ "	جوش ملسیانی	۳۳۱
۸۶	للن چودھری آفت مرحوم (وفات ۱۹۸۷ء)	۶۴ "	برہمانند جلیس	۳۳۴
۸۷	جگدیش چندر جین جگدیش	۶۷ "	"	۳۳۶
۸۸	اخلاق حسین اخلاق سہسوانی	۵۹ "	راز احسنی	۳۳۹
۸۹	بیتاب علی پوری	۵۷ "	جوش ملسیانی	۳۴۲
۹۰	ستیہ پال اشک	۴۹ "	بیتاب علی پوری	۳۴۵
۹۱	مہندر سنگھ آزاد گورداس پوری	۵۶ "	جوش ملسیانی	۳۴۷
۹۲	شہاب للت	۵۶ "	"	۳۵۰
۹۳	سُکھ دیو منتر	۵۵ "	"	۳۵۳
۹۴	اظہار الحسن اظہر ہاشمی	۵۴ "	نور نوحی	۳۵۵
۹۵	سلطان محمد کلیم تریبونی	۵۴ "	ابر احسنی	۳۵۷
۹۶	مسعودہ حیات	۵۴ "	"	۳۵۹
۹۷	پروفیسر عنوان چشتی	۵۲ "	"	۳۶۲
۹۸	سجاد حُسین سجاد	۳۹ "	عنوان چشتی	۳۶۶
۹۹	شمس تبریزی	۳۲ "	"	۳۶۸
۱۰۰	شہپر رسول	۳۳ "	"	۳۷۱

نمبر شمار	اسمائے گرامی	عُمر	تلمیذ	صفحہ نمبر
۱۰۱	عمران عظیم	۲۸ برس	عنوان چشتی	۳۷۳
۱۰۲	کیلاش چند ناز	۵۱ ″	ابر احسنی	۳۷۵
۱۰۳	عابد مناوری	۵۱ ″	جوش ملسیانی	۳۷۸
۱۰۴	حضور الحسن حضور سہسوانی	۴۹ ″	″	۳۸۱
۱۰۵	شہود عالم شہود آفاقی	۴۹ ″	ابر احسنی	۳۸۴
۱۰۶	رفیق احمد سرور نگینوی	۴۳ ″	″	۳۸۷
۱۰۷	رئیس الدین رئیس	۴۱ ″	جمنا پرشاد راہی	۳۸۹
۱۰۸	محمد سمیع اللہ سحر	۴۷ ″	ابر احسنی	۳۹۱
۱۰۹	محمد اسلم حنیف	۳۳ ″	رمز آفاقی	۳۹۳

۱۔ فہرست میں شعراء کی عمر سنِ تالیف یعنی ۱۹۸۹ء کے حساب سے درج کی گئی ہے

۲۔ مرحومین کی عمر اُن کے سنِ وفات کے حساب سے مندرج ہے۔
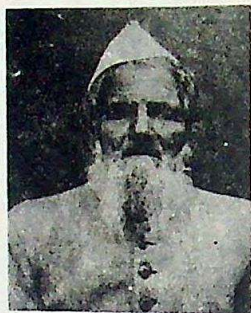
حکیم محمد حُسین احقر

دبستانِ داغ کے مُعمّر ترین بزرگ شاعر حکیم محمد حُسین احقر کی ولادت ۲۵ر جولائی ۱۸۸۶ء کو ملانواں ضلع ہردوئی (یوپی) میں جناب احمد حسین کے یہاں ہوئی۔ عربی، فارسی، اردو کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے دار العلوم دیوبند سے فاضل کی سند اور بعد میں طبِ یونانی میں دسترس حاصل کی اور طبابت کو ذریعۂ معاش بنایا۔ آخر عمر میں قصبہ ملانواں میں حکمت کرتے رہے۔ موصوف کو شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ ۱۹۱۵ء میں باقاعدہ آغاز ہوا۔ موصوف نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے۔ آپ کی کئی کتابیں بھی منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ لیکن اب نایاب ہیں۔ ان میں "رخصتی الحاج" "ردِّ وہابیّت" "توشۂ آخرت" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ جگر مرادآبادی، شفیق جونپوری، انور صابری، عرش ملسیانی، آرزو لکھنوی کے ساتھ اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے رہے۔ ۱۹۳۸ء میں ملانواں کے مشاعرے میں آپ نے سپاس نامہ پڑھا اور دادو تحسین حاصل کی۔ تقریباً بیس برس تک آپ مقامی کانگریس کمیٹی اور عیدگاہ کمیٹی کے صدر رہے۔ طویل عرصے تک آپ امام مسجد بھی رہے۔ آخر عمر تک آپ اپنے شاگردوں اور حافظ قرآن صاحبان کو مشورہ دیتے رہے۔ ۱۰۵ برس کی عمر میں ۹ ستمبر ۱۹۹۱ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

آپ کے کلام میں پختگی اور جذبہ حب الوطنی بدرجہ اتم ہے۔ آپ کو ابوالمحاسن مظہرُ الحسن مظہر ملانوی سے شرفِ تلمّذ ہے۔

مستقل پتا :- قصبہ ملانواں ضلع ہردوئی (یوپی)

نمونۂ کلام حکیم محمد حسین احقر

غزل

بادِ صرصر ہے نسیمِ گلستاں میرے لیے
بن گیا کُنجِ قفس اب آشیاں میرے لیے

زاہدو تُم کو مبارک خانۂ کعبہ رہے
کافی ہے سجدے کو سنگِ آستاں میرے لیے

ساغر و مینا، سبو و جام کا اب ذکر کیا
دشمنِ جاں ہو گیا پیرِ مغاں میرے لیے

واہ رے گردونِ گرداں تیرا شوقِ انتقام
ہو گئی ہے زندگی بارِ گراں میرے لیے

دردِ دل کہنے کو آیا ہوں سراپا درد ہوں
ہو عطا کچھ وقت بہرِ داستاں میرے لیے

حسرت سوزاں سے تکتی ہے اُسے برقِ طپاں
شاخِ گلشن پر بنا جو آشیاں میرے لیے

حکیم محمد حسین آحقر

متفرقات

کرتے ہو قلم شاخِ تمنّا کو جو میری
اللہ کرے باغِ جوانی نہ ہرا ہو

(۱)

ہم آئے ہیں کچھ حالتِ دل سُنانے
سُنو گوشِ دل سے یہ پُرغم فسانے

مصیبت کی اپنی یہ اِک داستاں ہے
پھنسا جس میں اس وقت ہندوستاں ہے
ہر اِک زندہ در گور پیر و جواں ہے
کہ ہر سمت نالوں سے آہ و فغاں ہے

ہم آئے ہیں کچھ حالتِ دل سُنانے

(۲)

وہاں عیش و عشرت کے دریا رواں ہیں
تھپیڑوں سے طوفاں کے یاں نیم جاں ہیں
یہاں ہم مصیبت میں نالہ کناں ہیں
حکومت کے پھر بھی بڑے مدح خواں ہیں

ہم آئے ہیں کچھ حالتِ دل سُنانے
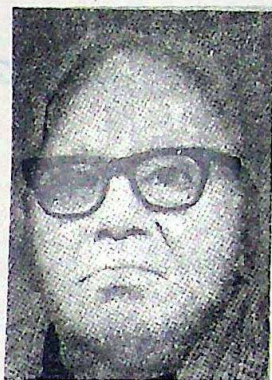
اعظم جلال آبادی

حکیم تر لوک ناتھ اعظم جلال آبادی کی پیدائش ۱۸۹۶ء میں ہوئی۔ ۱۹۱۹ء میں آپ نے اپنی طبّی تعلیم کی تکمیل کی اور خدمتِ خلق میں لگ گئے۔ گزشتہ ۷۰ برس سے انھوں نے ہزاروں مریضوں کو صحتِ جسمانی کی بحالی میں مدد دی ہے۔

شعر و ادب کا شوق بچپن ہی سے ان کی گھٹّی میں پڑا۔ ان کے بڑے بھائی درگا داس صوفی، اعظم صاحب سے ۱۴ برس بڑے تھے، انھیں کی دیکھ ریکھ میں آپ کا بچپن گزرا۔ اعظم صاحب کے تایا پنڈت الائچی رام بھی اردو کے شاعر تھے اور والد صاحب بھی کچھ لکھ لیتے تھے آپ نے اس ادبی ماحول میں پرورش پائی۔

اعظم صاحب کچھ مدّت شملہ میں رہے ہیں قیام شملہ کے دوران آپ نے ایک ہفت روزہ "شملہ سندیش" نکالا۔ ۱۹۳۶ء میں آپ دہلی تشریف لے آئے اور ۱۹۳۶ء سے ۱۹۵۲ء تک ماہنامہ ادبی رسالہ "دستگیر" کو نہایت کامیابی کے ساتھ جاری رکھا۔ مگر اپنے بڑے لڑکے ہری کرشن نوؔل کے انتقال کے بعد اسے بند کرنا پڑا۔ ۱۹۶۶ء میں آپ کا مجموعہ کلام "کلامِ اعظم" شائع ہوا جس پر استاذی جوؔش ملسیانی نے آشیرواد دیا۔ ۱۹۷۹ء میں "کلیاتِ اعظم" منظرِ عام پر آیا۔

اعظم صاحب نے ۷۵-۷۰ برس تک ادب کی خدمت کی۔ انھوں نے شریمد بھگوت گیتا کا اردو میں تفسیری ترجمہ اور پند نامہ سعدی (کریما) کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ ریاضت اور عبادت کے موضوع پر ہندی کلام بھی شائع کیا اور جسمانی فلاح و بہبود کے لیے ڈرامے بھی لکھے۔ اعظم صاحب نے شاعری کو اپنا پیشہ نہیں بنایا یہ ان کا شوق تھا۔ آپ

کے کلام میں پختگی، خلوص، سادگی، استدلال اور سنجیدگی ہے۔ آپ زمانے کی تازہ ہواؤں سے متاثر تھے۔ آزاد نظموں اور جدید شاعری کے ذریعے اظہارِ خیال کی کوشش کرتے تھے۔ آپ روحانیت اور تصوّف سے بھی رغبت رکھتے تھے۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۸۹ء کو آپ نے داعیِ اجل کو لبّیک کہا۔

؎ چل بسے آہ اعظمِ شیریں نفس

نمونۂ کلام :-

اعظم جلال آبادی

حمد و ثنا

خدایا تُو ہی ہے مرا غم گسار
تُو ہی ہے مرے دل کا صبر و قرار

تُو ہی جسم ہے بس تُو ہی جان ہے
تُو ہی میری دنیا ہے ایمان ہے

مرے تن بدن میں ہے طاقت تُو ہی
مرے قلبِ مضطر میں راحت تُو ہی

بصارت کی آنکھوں میں تیری ضیا
سماعت کے کانوں میں تیری صدا

تُو ہی سب جہاں کا ہے علم و ہُنر
تُو ہی آسماں پر ہے شمس و قمر

تُو ہی خُشک و تر ہے تُو ہی بحر و بر
تُو ہی روئے خنداں تُو ہی چشم تر

ہر اک ابتدا کی ہے تُو انتہا
ہر اک انتہا کی ہے تُو ابتدا

تُو وہم و گُماں سے بہت دور ہے
عیاں ہے مگر پھر بھی مشہور ہے

دھڑکتا ہے دل تو یہ احساس ہے
کہ شاید تُو ہر دم مرے پاس ہے

اعظم جلال آبادی

غزل

شباب آیا تڑپنے اور تڑپانے کا وقت آیا
اگر سچ پوچھئے بے موت مرجانے کا وقت آیا

ابھی جی بھر کے پی لو پھر نہ جانے کس پہ کیا گزرے
قریب اب شیخ جی کے وعظ فرمانے کا وقت آیا

انھیں پاسِ حیا ٹھہرا تو اپنے پاؤں لرزاں ہیں
ہماری جرأتوں کا اُن کے شرمانے کا وقت آیا

گھٹا چھائی، برسنے کو ہیں بوندیں ابرِ نیساں سے
نہیں پیتے جو ناداں اُن کو سمجھانے کا وقت آیا

نہ ہو جائے کہیں پھر "آپ" سے "تم" "تم" سے "تو" اعظم
حدودِ عقل سے باہر نکل جانے کا وقت آیا

امر چند قیس

امر چند قیسؔ خلف شری ہری رام مرحوم ساکن بسی کلاں ضلع ہوشیار پور سن ولادت اکتوبر ۱۹۰۴ء
سناتن دھرم کالج لاہور (پاکستان) سے بی۔ اے کا امتحان دے کر آپ روزنامہ
"ملاپ" سے وابستہ ہو گئے۔ بہ یک وقت آٹھ ماہوار، ہفتہ وار اور روزانہ جریدوں کو
مرتب کرتے رہے اور کانگریس کی تحریک میں بھی نمایاں کردار ادا کرتے رہے۔ شاعری
کا شوق آپ کو طالب علمی کے زمانے ہی سے تھا۔ آپ کی پہلی تخلیق ۱۹۲۵ء میں ملاپ
لاہور (پاکستان) میں چھپی۔ ۱۹۲۳ء میں آپ مولانا محمد علی آذر جالندھری کے حلقۂ تلمذ
میں شامل ہوئے اور ۱۹۴۰ء تک اُن سے فیض یاب ہوتے رہے۔ ۱۹۴۰ء میں مولانا
موصوف نے آپ کو قبلہ جوشؔ ملسیانی کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ جوشؔ
صاحب نے یہ درخواست قبول کی اور آپ قبلہ موصوف کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہو گئے
آپ کی چند قابلِ ذکر مطبوعہ تصانیف ہیں "فلسفۂ گیتا" (منظوم) "رودادِ شہادت" (واقعاتِ
کربلا)، "ہیرانِ ہیر" (منظوم)، "آنسو" (ڈرامے)، حضرت امام ناصر الدین، "سات
کہانیاں" شامل ہیں۔ یہ کتابیں اب نایاب ہیں۔ آپ کا کافی کلام بارش اور دیمک کی
نذر ہو گیا۔ اسکول اور کالجوں کے مقابلوں میں آپ نے مختلف انعامات حاصل کئے۔
حکومتِ پنجاب نے اردو کے شرومنی ساہتیہ کار کا اعزاز دیا اور کیسۂ زر بھی۔ آپ بزمِ
ادب "جالندھر" بزمِ گرامی" ہوشیار پور" بزمِ ادب سناتن دھرم کالج " لاہور اور کئی ادبی تنظیموں سے
وابستہ رہے۔

آپ نے فارسی میں بھی سلام نعت اور منقبت لکھے ہیں۔ موصوف کا شمار
جوشؔ صاحب کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ کو ہر صنفِ سخن پر عبور حاصل ہے۔

آپ کا کلام ملک کے بیشتر رسائل و جرائد میں چھپتا رہتا ہے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی کثیر ہے۔

گزشتہ تین برس سے صاحبِ فراش ہیں۔ چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔ لیکن ذہن بیدار ہے۔ شعر گوئی کا سلسلہ جاری ہے۔ اور تلامذہ کو بذریعہ مراسلت مشورہ دیتے رہتے ہیں۔

مستقل پتا: معرفت شری مہندر پرتاپ چاند۔ ڈی۔۸۱ یونی ورسٹی کیمپس۔ کوروکشیتر (ہریانہ)

۱

نمونۂ کلام :- امر چند قیس

غزل

ثمر، گل، برگ، دانہ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے
تسلسل کا فسانہ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے

کلیسا ہو۔ حرم ہو۔ دَیر ہو۔ مطلب ہے سجدے سے
کسی کا آستانہ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے

مفر ممکن نہیں شوخی سے، غمزے سے، تبسّم سے
دلِ عاشق نشانہ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے

سکوں دُشمن ادا، حشر آفریں عشوہ، بَلا پردہ
ہلاکت کا بہانہ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے

اُٹھاتا ہُوں سِتم بھی، ناز بھی، احسان بھی اُن کے
بُتوں سے دوستانہ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے

پرائے، اپنے، ناواقف سبھی ہیں خون کے پیاسے
مرا دُشمن زمانہ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے

جنابِ قیسؔ ہیں فرہاد بھی، مجنوں بھی، وامق بھی
تعارُف غائبانہ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے۔ یُوں بھی ہے

حُسنِ طلب (قطعہ)

ساقیا! ساقیا! ساقیا
ہوش کر۔ ہوش کر۔ ہوش کر
مے نہ دے۔ مے نہ دے۔ مے نہ دے
اِک نظر، اِک نظر، اِک نظر

غزل

رُعب ساقی کا کچھ ایسا چھا گیا
میری توبہ کو پسینا آگیا

ہنس دیئے وہ سُن کے میری سرگزشت
قصّۂ غم ہوگیا آیا گیا

اُس دلِ ناشادماں کا کیا علاج
لطفِ پیہم سے بھی جو اُکتا گیا

ہوگئی جس سے محبّت۔ ہوگئی
آگیا جس پر مرا دل۔ آگیا

مختصر سی ہے یہ گُل کی داستاں
شاخ پر پھوٹا۔ کھلا۔ مُرجھا گیا

اُس گُلِ رعنا سے ملنے کا خیال
قیسؔ! میری روح کو مہکا گیا

عبدالجبار گنائی۔ آثم بھدرواہی
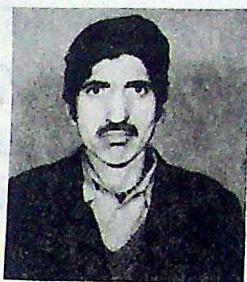
عبدالجبار گنائی پورا نام آثم بھدرواہی تخلص ولد جناب غلام قادر گنائی ساکن بھدرواہ ضلع ڈوڈہ جموں وکشمیر۔ پیدائش ۲۷ جون ۴۴ ۱۹ء

ایم اے اور بی۔ ایڈ کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد ملازمت شروع کی آجکل آپ سرتنگل بھدرواہ ہائی اسکول ضلع ڈوڈہ میں مدرس ہیں۔ ادبی زندگی کی شروعات ۱۹۶۲ء میں ہوئی اور ۱۹۶۶ء میں جموں سے شائع ہونے والے اخبار "چناب" میں پہلی تخلیق چھپی۔ آپ کالج کے مختلف مشاعروں میں انعام حاصل کر چکے ہیں۔ آپ نے اصلاح سخن جناب قیس جالندھری سے لی۔ "اقبال بزم ادب" بھدرواہ کے نائب صدر اور اکادمی آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز جموں کے ممبر بھی ہیں۔ اخباروں اور رسالوں میں کلام چھپتا رہتا ہے اور ریڈیو پروگراموں میں بھی شرکت کرتے رہتے ہیں۔

مستقل پتا : معرفت غلام قادر گنائی۔ دوکاندار بھدرواہ ضلع ڈوڈہ (جموں وکشمیر)

نمونۂ کلام :- آتشم بھدرواھی

غزل

غیرتِ ہوش میری مستی ہے
ہستی اب افتخارِ ہستی ہے

اس کی نیرنگیوں کا کیا کہنا
اِک عجوبہ - یہ بزمِ ہستی ہے

کہیں آنکھوں سے بہہ رہا ہے لہو
کہیں آنکھوں سے مئے برستی ہے

وُہی ہوتے ہیں سرفراز آخر
خلق آوازے جن پہ کستی ہے

دل کی بستی اگر اُجڑ جائے
بستے بستے ہی پھر وہ بستی ہے

کتنے شاہیں صفت اسیر ہوئے
کتنا خوش رنگ دامِ ہستی ہے

بے نیازی جو ہو نصیب ۔ آتشم
یہی گنجِ فراغ دستی ہے

مہیندر سنگھ برق

مہیندر سنگھ برق کی پیدائش یکم مئی ۱۹۴۴ء کو گوندلاں والا ضلع گوجراں والا (پاکستان) میں ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ کے والد شری کرتار سنگھ جالندھر میں آکر آباد ہو گئے آپ نے بی۔ اے اور ادیب کے امتحانات پاس کیے اور محکمۂ ڈاک سے وابستہ ہو گئے۔ آج کل آپ ہیڈ پوسٹ آفس جالندھر میں ملازمت کر رہے ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں شاعری کی طرف مائل ہوئے۔ آپ کی پہلی تخلیق روزنامہ "پرتاپ" جالندھر میں ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی۔ موسیقی۔ اداکاری اور شعر خوانی میں کالج اور دیگر اداروں سے تمغے حاصل کر چکے ہیں۔ آپ "پوسٹل کلب" جالندھر کے خازن "ڈرامیٹک کلب" کے سکریٹری اور دیگر تنظیموں سے منسلک ہیں۔ آپ علاّمہ قیس جالندھری کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں۔

مستقل پتا:۔ MNE/۱۴۳ عالی محلہ چھوٹا، جالندھر (پنجاب)

نمونۂ کلام — مہیندر سنگھ برق

غزل

وہ دِل بھی ہمارا اڑائے ہوئے ہیں
نگاہیں بھی ہم سے چرائے ہوئے ہیں

جُھکائے ہوئے ہیں یہ نظریں جو ہم سے
قیامت کے فتنے اٹھائے ہوئے ہیں

گِلہ ہے مرے شوقِ جلوہ کو اُن سے
وہ جلوے کو پردہ بنائے ہوئے ہیں

مجھے آج یُوں ان کی یاد آرہی ہے
مرے گھر وہ جیسے خُود آئے ہوئے ہیں

خُدائی پہ ہے اس قدر ناز جن کو
خُدا وہ ہمارے بنائے ہوئے ہیں

یقیں ہی نہیں آرہا برق مجھ کو
مرے گھر میں وہ آج آئے ہوئے ہیں

مہیندر پرتاپ چاند

مہیندر پرتاپ چاند کی پیدائش یکم اگست ۱۹۳۵ء کو کروڑ لال عیسن ضلع مظفر نگر (پاکستان) میں شری سوبھراج نارنگ کے یہاں ہوئی۔ آپ نے اردو اور لائبریری سائنس میں ایم۔ اے کیا۔ آجکل کوروکشیتر یونیورسٹی میں ڈپٹی لائبریرین کے عہدے پر مامور ہیں۔ ادبی زندگی کی شروعات ۱۹۴۷ء میں ہوئی یعنی جب بارہ برس کے تھے اور جب سے ابھی تک برابر زلفِ عروسِ فن کو سنوارنے میں انہماک سے لگے ہوئے ہیں۔ آپ جناب قیس جالندھری کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ شعر گوئی کے علاوہ نثری مضامین بھی لکھتے ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں مجموعۂ کلام "حرفِ راز" اور ۱۹۸۲ء میں "زخم آرزوؤں کے" شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ۱۹۷۴ء سے "بزمِ سخن" کوروکشیتر کے جنرل سکرٹری اور انجمن ترقی اردو کورکشیتر شاخ کے جنرل سکریٹری ہیں۔ آپ نے اردو کے علاوہ لائبریری سائنس کے بھی گرانقدر مضامین لکھے ہیں۔ آپ کا کلام ملک کے بیشتر رسائل میں چھپتا رہتا ہے۔

مستقل پتا: ڈی ۸۱ ٹیچرز فلیٹس یونیورسٹی کیمپس کوروکشیتر

غزل

کچھ اب کے برس اور ہواؤں کا چلن ہے
بوجھل سے ہے فضا وقت کے ماتھے پہ شکن ہے

دیتی ہیں دھواں اب بھی سلگتی ہوئی شامیں
ماحول پہ چھائی ہوئی ویسی ہی گھٹن ہے

اُبھری ہے پھر اِک ڈوبتے منظر کی کوئی یاد
سنگیت کی لَے ہے کہ یہ سورج کی کرن ہے

نکھرا ہے ترا رُوپ مرے شعروں میں ڈھل کر
سنورا ہُوا میرا بھی ہر اک نقشِ سخن ہے

مہکی ہُوئی سانسوں میں بسی ہے کوئی مُورت
خُوشبوئے بدن ہے کہ یہ خوشبو کا بدن ہے

سینے سے لگا لو اِسے پلکوں پہ سجا لو
اے چاند! یہ بیتے ہوئے لمحوں کی چبھن ہے

مہیندر پرتاپ چاند

غزل

دھو گئی چہروں سے گردِ یاس کا غازہ ہوا
کر گئی افسردہ روحوں کو تر و تازہ ہوا

لاکھ بیٹھو چھپ کے اپنے بند کمروں میں مگر
توڑ کر آجائے گی ایک ایک دروازہ ہوا

ناپنے نکلی ہے شہرِ دل کی وسعت کو، مگر
کیا لگا پائے گی میرے غم کا اندازہ، ہوا؟

زخم جو بھرنے لگے تھے پھر لگے منہ کھولنے
کچھ پرانے درد لے کر آئی ہے تازہ، ہوا

جی ترستا ہے انھیں راتوں کو جب یکجا تھے سب
پہلوئے محبوب، ساغر، چاندنی، تازہ ہوا

ہم تو اپنی خانہ ویرانی کا ماتم کر چکے
دیکھ جا کر اب تو کوئی اور دروازہ، ہوا

وہ لطافت، وہ مہک، کیوں چاند یکسر کھو گئی
بھر رہی ہے کن خطاؤں کا یہ خمیازہ ہوا؟

چندر پرکاش بھاردواج دوست

چندر پرکاش بھاردواج دوست کی پیدائش ۲۲ر اگست ۱۹۲۵ء کو پنڈت رام چندر بھاردواج کے یہاں، پیہووہ میں ہوئی۔ بی۔ اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملازمت شروع ہوئی۔ شعروشاعری کا بچپن سے ہی ذوق تھا۔ باقاعدہ شعر کہنا ۱۹۶۵ء میں شروع کیا ۱۹۶۶ء میں "ہندسماچار" جالندھر میں پہلی تخلیق شائع ہوئی۔ آپ قبلہ قیس جالندھری کے دامن فیض سے وابستہ ہیں۔ آپ اسیٹنٹ ڈائرکیٹر ایمپلائز اسیٹٹ انشورنس کے عہدے سے ریٹایر ہوئے۔ انجمن ترقی اردو ہند اور "بزم سخن" کوروکشیتر کے ممبر ہیں۔

مستقل پتا ۱- ۸۶۹ سیکٹر ۱۳ ہاؤسنگ بورڈ کالونی۔ کوروکشیتر

نمونۂ کلام :- چندر پرکاش بہار درواج دوست

متفرق اشعار

عشق کی بھی ادا نرالی ہے
لب تو چپ ہیں نظر سوالی ہے

زندگی گو جان کا آزار ہے
کون مرنے کے لیے تیار ہے

کیا خبر تھی کہ میرے اشکوں سے
شعلۂ عشق اور بھڑکے گا

جوشِ فصلِ بہار ؟ کیا کہنا
زخم سر سبز ہو گئے دِل کے

سمجھتا تھا زمانہ جس کو بے پَر
وہ آدم اُڑ رہا ہے آسماں پر

ابھی ساحل سے چلا ہی تھا سفینہ میرا
بڑھ کے گرداب نے سینے سے لگایا مجھ کو

کرشن گوپال ساگر

کرشن گوپال ساگر کی پیدائش ۲ر اپریل ۱۹۱۹ء کو ماہل پور ضلع ہوشیار پور میں ہوئی۔ آپ پنڈت چکر رام کے فرزند تھے۔ بی۔ اے، بی ایڈ اور پربھاکر کی ڈگریاں حاصل کر کے درس و تدریس لسے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۳۵ء میں ادبی زندگی کا آغاز ہوا اور پہلی تخلیق گورنمنٹ کالج ہوشیار پور کی میگزین میں ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔ آپ علامہ قیس جالندھری کے حلقہ تلمذ میں شامل تھے۔ ایک عرصہ تک "اخبار کرم ویر" پٹیالہ کے مدیر بھی رہے۔ "ادبی سنگم ہریانہ" سونی پت، "انجمن ترقی اردو" اور "ویلفیر سوسائٹی" ہاؤسنگ کالونی کے مشاورتی کمیٹی کے ممبر تھے۔ "شیو مندر" کمیٹی ہاؤسنگ کالونی کے نائب صدر تھے۔ تقسیم ملک پر پنجاب کی تاریخ کا "خونیں ورق" ۱۹۴۸ء میں شائع کیا۔ "سور منڈل" (ہندی)، گیت وہار (ہندی)، ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ شعر گوئی کے علاوہ نثری مضامین بھی لکھتے تھے۔ ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں آپ کا کلام چھپتا رہتا تھا۔

ریٹائرمنٹ کے بعد سونی پت میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔ اور فروری ۱۹۸۷ء میں وہیں وفات پائی۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

نمونۂ کلام　　　　　　　　　　　　　　　　　　کرشن گوپال ساگر

غزل

وُہ جس کی دِید کو ہر کوئی ترسے
اُسے دیکھوں میں ساگر کس نظر سے

مری آنکھوں سے بھی مے خانے برسے
لڑی نظریں جب اِک سَرخوش نظر سے

وہ کیا دیکھیں گے آئینے میں صورت
رہیں جو خُود نہاں اپنی نظر سے

اُنھیں دل سے سُنے، ہاں، دل سے کوئی
کہیں ہم جو نظر سے 'ہاں' نظر سے

وہ نُکتے کیا لبِ واعظ سے ٹپکیں
برستے ہیں جو ساقی کی نظر سے

اُتر جائیں جو دُنیا کی نظر میں
وہ کیا اُتریں گے ساگر کی نظر سے ؟

وم پرکاش سارنگل عارج

اوم پرکاش سارنگل عارج ولد سٹری گنپت رائے کی پیدائش ۵ ستمبر ۱۹۳۴ء کو سیالکوٹ (پاکستان) میں ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ گوپال نگر (جالندھر) میں مستقل سکونت پذیر ہو گئے۔ شاعری کا ذوق بچپن سے ہی تھا مگر باقاعدہ آغاز ۱۹۵۵ء میں ہوا۔ آپ کا پہلا "گیت" ۱۹۶۲ء میں" سینک سماچار" نئی دہلی میں شائع ہوا۔ آجکل آپ آل انڈیا ریڈیو جالندھر میں ڈیوٹی آفیسر ہیں۔ شاعری میں رہنمائی کے لیے آپ قبلہ قیس جالندھری سے مشورہ کرتے ہیں۔ آپ کے کلام میں دبستانِ داغ کے تغزل کی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ موسیقی اور شعر خوانی میں مختلف انعامات حاصل کر چکے ہیں۔ مشاعروں۔ ٹی، وی، ریڈیو پروگراموں میں شرکت کرتے رہتے ہیں اور اخباروں، رسالوں کے ذریعہ بھی اپنا کلام عوام تک پہونچاتے رہتے ہیں۔

مستقل پتا :- ۵۵۶ گوپال نگر جالندھر (پنجاب)

نمونۂ کلام :- اوم پرکاش سارنگل عارج

قابلِ رحم کس قدر ہے وہ دل
جس پر اُن کا ستم نہیں ہوتا

لگاتے منہ انھیں دیر و حرم کیا
جو ٹھکرائے گئے ساقی کے در سے

حسن جس وقت بے نقاب آیا
عشق کو خود بخود حجاب آیا

مے کدہ اِک بار ٹھکرا دے جسے
پھر اُسے کعبہ بھی اپناتا نہیں

کونین کی وسعت میں سمائے نہ جواب تک
وہ جلوے بھی ہم نے دلِ ویراں میں اُتارے

دل تو اِک بت پہ ایک بار آیا
آفت اس دل پہ بار بار آئی

دلِ عارج پہ ہیں ہر بُت کی نظریں
وہ کیوں محروم ہے تیری نظر سے

بھگت رام مورتی اُپادھیائے

بھگت رام مورتی اُپادھیائے گلشن ہریانوی خلف تیج رام تیج ۲ ستمبر ۱۹۱۲ء کو چوہا بھگتاں ضلع راولپنڈی (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے مستقل سکونت جگادھری (انبالہ) میں اختیار کی اور محکمہ تعلیم میں ملازم ہوئے۔ شعر گوئی کا آغاز ۱۹۳۶ء میں ہوا۔ دہلی سے نکلنے والے ادبی مجلّے "سورج کرنیں" میں پہلی تخلیق "گل صد برگ" شائع ہوئی۔ آپ قبلہ قیس جالندھری کے شاگرد تھے۔ ہریانہ سرکار اور ہریانہ ساہتیہ اکادمی نے آپ کو انعام سے نوازا۔ گذشتہ دنوں جگادھری میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

متفرق اشعار

بڑے بڑے پیغمبر جھک گئے گلشن کی تو بات نہ چھیڑ
عشق کی ٹھوکر جب لگتی ہے ہوش ٹھکانے آجاتے ہیں

▬

کہسار ہو۔ دریا ہو۔ بیاباں کہ چمن ہو
فطرت کو میں ہر سمت جواں دیکھ رہا ہوں

▬

نہ دیکھو فردِ جرائم۔ جناب! رہنے دو
مرے گنہہ تو ہیں بے حساب رہنے دو

▬

میں نہ اچھا ہو سکا۔ اچھا ہُوا
یہ کرم تیرا۔ مرے مولا ہُوا

▬

جس میں رنگینی نہ جدت ہو نہ جوش
گلشن ایسی شاعری اچھی نہیں

▬

سُنا ہے کہ وہ بادفا ہوگیا ہے
یہ کیا؟ ہوگیا ہے۔ یہ کیا؟ ہوگیا ہے

▬

کُفر کے فتویٰ پہ بھی یہ برملا کہنے کو ہیں
سُن رہے ہو۔ ہم تمہیں اپنا خدا کہنے کو ہیں

دیو سنگھ کلسی مرید

بل دیو سنگھ کلسی مرید کی پیدائش ۴ مارچ ۱۹۳۷ء کو گڑھی بخشا ضلع جالندھر میں سردار ہزارہ سنگھ کے یہاں ہوئی۔ آپ نے ایم۔ اے (اردو۔ ہندی) میں کیا۔ بعد میں بی۔ ایڈ کی ڈگری حاصل کی۔ آجکل آل انڈیا ریڈیو جالندھر میں پروگرام ایگزیکٹیو کے عہدے پر مامور ہیں۔ شاعری کی ابتدا ۱۹۴۸ء میں ہوئی۔ ۱۹۶۰ء میں آپ کی پہلی تخلیق ہفت روزہ "امرتسر" میں شائع ہوئی۔ آپ نے قبلہ قیس جالندھری کی خدمت میں زانوئے ادب تہ کیا۔ آپ شعر گوئی کے علاوہ نثری مضامین بھی لکھتے ہیں۔ آپ جالندھر کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

"اقبال میموریل ٹرسٹ" پنجاب اور "بزم فروغ اردو" جالندھر کے فعال رکن ہیں۔

مستقل پتا :۔ جلّو وال۔ براہ کالا بکرا ضلع جالندھر (پنجاب)

بلدیو سنگھ کلسی مرید

نمونۂ کلام

دِل سے اُن کو لگالیا مَیں نے
سب سے دامن چھڑا لیا مَیں نے

حشر پر حشر ڈھا رہے ہیں وہ
جن کو دِل میں بٹھا لیا مَیں نے

وہ بھی جھوٹے ہیں اُن کے وعدے بھی
بارہا آزما لیا مَیں نے

اُس بُتِ شوخ و سنگ ہی کو خُدا
دِل و جاں سے بنا لیا مَیں نے

دِل برباد ہو گیا آباد
کِس کو دل میں بسا لیا مَیں نے

چشمِ ساقی جب اِس طرف نہ اٹھی
ساغرِ زہر اٹھا لیا مَیں نے

للت موہنی

کماری للت موہنی یکم ستمبر ۱۹۳۳ء کو انبالہ (ہریانہ) میں شری پی۔ ایل بجاج کے یہاں پیدا ہوئیں۔ موہنی نے تین مضامین میں (انگریزی۔تاریخ۔اردو) ایم۔ اے کیا۔ ۱۹۷۱ء میں ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ حضرت قیس جالندھری سے رشتہ تلمذ ہے۔ ان دنوں ایس ڈی گرلز کالج نروانہ ضلع جیند (ہریانہ) میں پرنسپل ہیں اور وہاں ادبی اجتماع نیز مشاعرے منعقد کراتی رہتی ہیں۔ آپ ہماچل اور ہریانہ کے طالبات کے لیے کورس بھی مرتب کرچکی ہیں۔

مستقل پتا:- پرنسپل ایس۔ ڈی گرلز کالج نروانہ ضلع جیند ہریانہ

غزل

زرا تو سامنے آؤ ۔ بڑا اندھیرا ہے
زرا جھلک ہی دکھاؤ ۔ بڑا اندھیرا ہے

اُڑاؤ تان ہی "دیپک" کی اِس اندھیرے میں
کوئی چراغ جلاؤ ۔ بڑا اندھیرا ہے

کہاں ہے نُور کلیسا میں، دیر و کعبہ میں ؟
کہاں چھپے ہو خداؤ ۔ بڑا اندھیرا ہے

یقیں تو آنے دو مجھ کو کہ آ گئے ہو تُم
ابھی تو اُٹھ کے نہ جاؤ ۔ بڑا اندھیرا ہے

بڑا اندھیرا ہے ۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا
کوئی غزل ہی سُناؤ ۔ بڑا اندھیرا ہے

لبوں پہ دَم ہے ۔ ترستی ہُوں روشنی کے لیے
اثر دکھاؤ دُعاؤ ۔ بڑا اندھیرا ہے

سیتارام اہلووالیہ نظرؔ اکال گڑھی

سیتارام آہلووالیہ نظرؔ خلف لالہ برکت رام آہلووالیہ ۲ر جولائی ۱۹۵۹ء کو اکال گڑھ ضلع گوجرانوالہ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ اردو میں "ادیب فاضل" کی سند حاصل کی۔ جب آپ ڈی۔ اے۔ وی لائج لاہور میں بی۔ اے کے طالب علم تھے تو اُس وقت ملک کے سیاسی حالات سے متاثر ہوکر قومی تحریک میں سرگرم حصہ لینے لگے۔ اور بی۔ اے کی ڈگری حاصل نہ کرسکے۔ تعلیمی اداروں سے وابستگی رہی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے بسی کلاں ضلع ہوشیارپور میں سکونت اختیار کی اور مقامی اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ ان دنوں ریٹائر ہوکر محکمۂ نیشنل سیونگ سے وابستہ ہیں۔ پاکستان میں قیام کے دوران دیوان راجہ رازؔ سے کلام پر اصلاح لیتے تھے۔ اب جناب قیسؔ جالندھری سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ ادبی زندگی کا آغاز دوران تعلیم ہوا اور پہلی تخلیق ہفت روزہ "صدائے غیب" (اکال گڑھ) میں ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔ ٹیچرس ایسوسی ایشن پنجاب، انجمن معلمین ہوشیارپور کے جنرل سکریٹری کے فرائض ادا کررہے ہیں۔ طبعاً روحانیت پسند ہیں۔ مختلف اداروں سے انعامات واعزازات حاصل کرچکے ہیں۔

مستقل پتا :۔ بسی کلاں ضلع ہوشیارپور (پنجاب)

نمونۂ کلام :- نظؔرا کال گڑھی

میرے نامے کا جواب آنے لگا
نامہ بَر اب کامیاب آنے لگا

دیکھ کر آئینۂ اعمال میں
اپنی صورت سے حجاب آنے لگا

کس نے لطف و ناز سے تاکا اِدھر
آرزوؤں پر شباب آنے لگا

کیا گزُر جائے جہاں پر کیا خبر
ہر طرف اِک انقلاب آنے لگا

طوُر سے جلووں کی بھیک اب کون لے
بام پر وہ بے نقاب آنے لگا

یہ ہوا ۔ یہ ابر ۔ یہ رُت اے نظؔر
بے پیئے لطفِ شراب آنے لگا

نظر اکال گڑھی

ہر حال میں ہوں خوش ۔ نہیں شکوہ، گلا مجھے
سو جان سے عزیز ہے تیری رضا مجھے

اِک عمر سے اُٹھاتا ہوں میں گم رہی کے لطف
گم راہ رہنے دے یونہی اے رہ نما مجھے

جس پر میں سجدہ ریز ہوں ۔ اے شیخ و برہمن
وہ نقشِ پا ہے دیر و حرم سے سوا مجھے

میں بندۂ وفا ہوں ۔ وفا دین ہے مرا
مرعوب کر سکیں گے نہ جور و جفا مجھے

اے ہم نشیں ! نہ پوچھ شبِ غم کا ماجرا
رہنے دے اپنے حال میں بہرِ خدا مجھے

یہ رنگ لا رہی ہے کسی گُل بدن کی یاد
کر کے رہے گی اب یہ مجھی سے جدا مجھے

کیوں ہاتھ اُٹھاؤں دامن الفت سے اے نظر
بہتر ہے اس سے یہ کہ اُٹھا لے خدا مجھے

زخمیؔ حصاری

بھاگیرتھ لال زخمیؔ حصاری کی پیدائش لالہ سیتارام اگروال کے گھر حصار میں ۱۹۰۵ء
میں ہوئی۔ آپ نے ۱۹۲۷ء میں میٹرک پاس کیا۔ طالبِ علمی کے زمانے میں طبیعت شعر گوئی
کی طرف مائل ہوئی۔ ابتدائی کلام پر مولانا سیمابؔ اکبرآبادی سے اصلاح لی۔ اُن کے رحلت
فرما جانے کے بعد آپ قبلہ جوشؔ ملسیانی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہو گئے۔ آپ کی غزلوں کا
مجموعہ ۱۹۵۴ء میں جموں سے شائع ہوا ——————— ۱۹۶۵ء میں "سرشک" کے
نام سے دوسرا مجموعہ شائع ہوا۔ آپ کے تلامذہ کی کثیر تعداد ہے آپ نے تقریباً پچاس
برس تک اردو ادب کی خدمت کی۔ زخمی صاحب نے اپنی زندگی گوشہ نشینی میں گزاری۔
وہ مشاعروں میں شرکت کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ ۱۹۷۵ء میں پچاس سالہ ادبی
خدمات کے لیے ہریانہ ہندی ساہتیہ سمیلن حصار کی جانب سے آپ کو انعام دیا گیا۔ مارچ
۱۹۸۵ء میں آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

بجھ گیا اک چراغِ علم و فن

زخمی حصاری

غزل

میری بربادیوں کی یہ تصویر
گردشِ وقت کی ہے ایک لکیر

حسنِ تدبیر کی نگاہوں سے
دیکھ تو اپنے بخت کی تحریر

دُور کر دے دِلوں کی تاریکی
اے جمالِ خلوص کی تنویر

تم سمجھتے ہو جن کو میرِ چمن
زلفِ حرص و ہوا کے ہیں وہ اسیر

کھا رہا ہوں فریبِ آزادی
دیکھ کر پاؤں کی نئی زنجیر

جھوٹی توقیر کے لیے اکثر
بیچ دیتے ہیں لوگ اپنا ضمیر

کل بھی آ جائے گا مگر زخمیؔ
کتنی دُھندلی ہے آج کی تصویر

نمونۂ کلام زخمی حصاری

رُباعی

ساغر سے ذرا رُوح کو بہلاتا ہُوں
پینے کو تو خُم خانہ بھی پی جاتا ہُوں
کیا پوچھتے ہو مے کا مزا تم زخمی
پی کر غم و آلام پہ چھا جاتا ہُوں

قطعہ

بھول کر اپنی منزلِ مقصود
تیز گامی دکھا رہے ہیں لوگ
نام پر ارتقا کے اے زخمی
قعرِ پستی میں جا رہے ہیں لوگ

کرشن کمار نندہ کرشن

کرشن کمار نندہ کرشن ۱۳؍اکتوبر ۱۹۳۶ء کو لالہ چھتہ رام کے یہاں خانیوال ضلع ملتان (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد پانی پت میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے ایم۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی اور ایس۔ اے۔ ایس کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ان دنوں آپ ایم۔ آئی۔ ٹی۔ سی روہتک میں اکاؤنٹس آفیسر ہیں۔ بچپن سے شاعری کا شوق تھا مگر ۱۹۶۵ء میں باقاعدہ شعر کہنا شروع کیے۔ آپ کی پہلی تخلیق ۱۹۶۷ء میں "لہریں" سونی پت میں شائع ہوئی۔ اصلاح کلام کے لیے آپ نے زخمی حصاری صاحب کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ آپ" ادبی سنگم ہریانہ " سونی پت کے رکن ہیں۔ رسائل و جرائد میں کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔

مستقل پتا:- ۱۵؍۷۔ ایل ماڈل ٹاؤن سونی پت۔ ہریانہ

نمونۂ کلام — کرشن نندہ کرشن

دامن پکڑ کے ہاتھ چھڑاتے ہیں ہم نشیں
نظریں ملا کے آنکھ چراتے ہیں ہم نشیں

نکلو جو ڈھونڈنے کو تو ملتا نہیں کوئی
یوں دیکھنے میں سب نظر آتے ہیں ہم نشیں

ملتے ہیں سب کے سامنے بے حد تپاک سے
پیچھے ہزار باتیں بناتے ہیں ہم نشیں

ڈوبا ہوا ہے جب سے ستارہ نصیب کا
بھولے سے پاس تک نہیں آتے ہیں ہم نشیں

اے کرشن آپ جانے لگے ایسے حال میں
تنہا بھی چھوڑ کر کہیں جاتے ہیں ہم نشیں

رتن پنڈوروی

پنڈت رلارام رتن پنڈوروی خلف پنڈت متھراداس بھاردواج کھٹ شاستری موضع
پنڈوری ضلع گورداسپور میں ۷ رجولائی ۱۹۰۷ء کو پیدا ہوئے۔
مقامی پرائمری اسکول میں ابتدائی تعلیم پائی اور ۱۹۲۲ء میں جے۔ وی کی سند نارمل
اسکول گورداسپور سے حاصل کی۔ گھریلو پریشانیوں کے باعث زیادہ نہ پڑھ سکے۔ ۱۹۲۵ء
میں آپ پرائمری اسکول بونے وال میں نائب مدرس مقرر ہوئے۔ اس کے بعد آپنے فارسی
کی تعلیم حاصل کرنی چاہی تو آپ کی نگاہ قبلہ جوشؔ ملسیانی پر پڑی۔ آپ نے ان کے درِدولت
پر حاضر ہوکر رہ نمائی کی درخواست کی، جو قبول ہوئی۔ بعد میں آپ نے منشی اور ادیب فاضل
کے امتحانات پاس کیے۔ شاعری کا شوق ۱۹۲۶ء سے شروع ہوا اور آپ قبلہ موصوف کے
حلقہ تلمذ میں شامل ہو گئے۔ آپ نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ فنی اور ادبی تحقیق و
مطالعہ کا شوق ہے۔ آپ نے کچھ دن قبلہ جوشؔ ملسیانی کے حکم سے حضرت دل شاہجہانپوری
سے بھی اصلاح لی ہے۔ تقسیم ملک کے بعد پھر آپ قبلہ جوشؔ صاحب کے سایۂ شفقت میں آگئے۔
۴ نومبر ۱۹۹۰ء کو تراسی برس کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔
ان کے تلامذہ کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔ درج ذیل تصانیف منظرِ عام پر آکر مقبول
ہو چکی ہیں: "اندازِ نظر" (کلام)، "بہشتِ نظر" (کلام)، "پیامِ نظر" (کلام)، "سرِ مغفرت" (شریمد
بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ)، "سرمایہ بلاغت"، "فنِ تاریخ گوئی" اور "تحقیقی مباحث"۔
رتن صاحب کے کلام میں دبستانِ داغؔ کے تغزل کی خوبیاں نمایاں ہیں آپ کو ابوالبلاغت
کے خطاب سے بھی سرفراز کیا گیا۔

رتن پنڈوری

نمونۂ کلام

یہ کون سا مقام ہے اے جوشِ بے خودی
رستہ بتا رہا ہوں ہر اک رہ نما کو میں

دونوں ہی کامیاب ہوئے ہیں تلاش میں
ذاتِ خدا ملی مجھے ذاتِ خدا کو میں

مٹی اٹھا کے دیکھتا ہوں راہِ شوق کی
بھولا نہیں ہوں جوشِ طلب میں فنا کو میں

ہستی فنا ہوئی تو حقیقت یہ کھُل گئی
میں خود بقا ہوں کس لیے ڈھونڈوں بقا کو میں

کیونکر میں اس کو دشمن ہستی قرار دوں
پاتا ہوں مدعا کا ذریعہ قضا کو میں

کیوں اس کی جستجو کا ہو سودا مجھے رتنؔ
مجھ سے اگر خُدا ہو تو ڈھونڈوں خُدا کو میں

رتن پنڈوروی

غزل
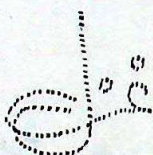
غم کی بستی عجیب بستی ہے
موت مہنگی ہے جان سستی ہے

میں اُسے کیوں اِدھر اُدھر ڈھونڈوں
میری ہستی ہی اُس کی ہستی ہے

عالمِ شوق ہے عجب عالم
آسماں پر زمین بستی ہے

جان دے کر جو زندگی پائی
میں سمجھتا ہوں پھر بھی سستی ہے

غم ہے کھانے کو اشک پینے کو
عشق میں کیا فراغ دستی ہے

خاک ساری کی شان کیا کہئے
کس قدر اَوج پر یہ پستی ہے

چاک دامانِ زندگی ہے رتن
یہ جنوں کی دراز دستی ہے

بشن داس زاؔر

شری بشن داس زاؔر ولد پنڈت دیوی چند ۹؍ اپریل ۱۹۰۷ء کو موضع رائے پور ارائیاں ضلع کپورتھلہ میں تولد ہوئے۔ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ نے ملازمت شروع کی۔ شاعری کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ آپ ایک عرصہ تک روزنامہ "ویر بھارت" اور "تریاق" کے جوائنٹ ایڈیٹر رہے۔ کچھ عرصے کے بعد آپ مقامی اسکول میں مدرّس ہو گئے۔ اور وہیں سے آپ ریٹائر ہوئے۔ آپ قبلہ جوؔش ملسیانی کے فرزند عرؔش ملسیانی کے ہم مکتب و ہم جماعت رہے ہیں۔

آپ نے استفادۂ سخن کے لیے قبلہ جوؔش ملسیانی کے روبرو زانوئے ادب تہ کیا۔ آپ نے جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔

آپ کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ کلام میں تجربات و مشاہدات کی گہرائی کے ساتھ حقیقت پسندی اور عصری مسائل کی جھلکیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ فنی اور ادبی تحقیق کا شوق رکھتے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے آبائی گاؤں میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ نومبر ۱۹۸۸ء میں وہیں وفات پائی

؎ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

نمونۂ کلام بشن داس زآر

غزل

کسی کو نہیں دیتا کوئی سزائیں
سزا بن کے آتی ہیں اپنی خطائیں

میرے ذوقِ الفت کی توہین ہو گی
دُعا ہے کہ لب پر دُعائیں نہ آئیں

خطاوار اگر ہُوں تو یا رب ہُوا کیا
فرشتوں سے ہوتی رہی ہیں خطائیں

منا کر انھیں اب یہ جی چاہتا ہے
کہ اُن سے کہوں آؤ پھر روٹھ جائیں

زمانے میں ضرب المثل ہو گئی ہیں
ہماری وفائیں تمہاری جفائیں

یہ ہے آج جی میں کہ اے زآر اُن سے
جو دل پر گزرتی ہے سب کہہ سُنائیں

بشن داس زار

غزل

فیصلہ تیرا مرا آج یہیں ہو جائے
"ہاں" اگر ہو نہیں سکتی تو "نہیں" ہو جائے

داد تو داد بس اتنا ہی کہیں ہو جائے
کچھ انھیں میری محبت کا یقیں ہو جائے

دل ہی کم بخت اڑا بیٹھا ہے ضد پر ورنہ
ہم تو جس شے پہ نظر ڈالیں حسیں ہو جائے

تم نقابِ رُخِ انور تو زرا سرکاؤ
قصۂ طُور کی تفسیر یہیں ہو جائے

حرم و دیر کی تخصیص نہیں کچھ ہم کو
دل کی تسکین سے مطلب ہے کہیں ہو جائے

دلِ پُر شوق مرا ہے ترے جلووں کا امیں
کاش تُو بھی مری الفت کا امیں ہو جائے

زار کا حال کچھ ابتر ہے خبر لو اس کی
کہیں ایسا نہ ہو پیوندِ زمیں ہو جائے

ہنسراج سچدیو حزیںؔ

ہنسراج سچدیو حزیںؔ کی پیدائش ۲؍اپریل ۱۹۱۳ء کو کاہنہ کہنہ ضلع لاہور (پاکستان) میں ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد دہلی میں آباد ہو گئے۔ ۱۹۳۴ء میں پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا اور ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ آجکل آپ مستقل طور پر دلّی میں ہی سکونت پذیر ہیں۔ آپ اسٹیٹ ڈائریکٹر (منسٹری آف ڈیفنس) کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ زمانہ طالب علمی ۱۹۳۲ء میں ہی شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ ۱۹۳۳ء میں بچوں کے متعلق پہلی نظم ماہنامہ "عالمگیر" لاہور میں چھپی۔ آپ گزشتہ ۶ دہائیوں سے خدمت ادب میں منہمک ہیں۔ آپ جناب بشن داس زارؔ کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں۔ "حلقہ تشنگانِ ادب" نئی دہلی، "بزم ادب" شکور بستی، "خمخانۂ ادب" دلّی اور "بزم سیماب" دہلی کے فعال رکن ہیں۔ آپ مختلف ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

مستقل پتا: WZ-116A میجر بھوپندر نگر۔ پوسٹ آفس تلک نگر۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۸

نمونہ کلام :- هنسراج سچدیو حزیں

غزل

میخانے کا در وا ہے بڑھو سوچتے کیا ہو
آئے ہو تو جی بھر کے پیو سوچتے کیا ہو

واعظ تو گیا اُس کی ہر اک بات بھُلا کر
پھر دَور چلے بادہ کشو سوچتے کیا ہو

یہ دَور نہیں دوستو اخلاص و وفا کا
عیّار و ریا کار بنو سوچتے کیا ہو

خاموش ہو کس واسطے تم رُو برُو اُنکے
کچھ اُن کی سُنو، اپنی کہو سوچتے کیا ہو

مہمان ہے کچھ دیر کا بیمارِ محبت
کچھ چارہ کرو، چارہ گرو سوچتے کیا ہو

ہے سامنے موجود حزیں منزلِ مقصود
دس بیس قدم اور چلو سوچتے کیا ہو

ھنسراج سچدیو حزیںؔ

غزل

ہاتھوں میں آ گئے جو کسی بے وفا کے ہاتھ
مانگی نہ ہم نے کوئی دُعا پھر اُٹھا کے ہاتھ

اب ہو نہ ہو قبول یہ اُن پر ہے منحصر
پھیلا دیئے ہیں میں نے تو اب التجا کے ہاتھ

ہو پایا آج تک نہ کسی سے علاجِ مرگ
روکے نہیں کسی نے ابھی تک قضا کے ہاتھ

جب بھی ہوئی ہے ظلم و تشدد کی انتہا
خود کٹ گئے ہیں جبر کے ہاتھوں جفا کے ہاتھ

بے کیف بے سرور سا ہے ساغرِ شراب
کیا چھو گئے ہیں اس کو کسی پارسا کے ہاتھ

شاید ستم شعار نہیں جانتے حزیںؔ
ہر جور ہر ستم پہ ہیں قادر خدا کے ہاتھ

ساحر سیالکوٹی

رگھبیر داس ساحر سیالکوٹی ۷ر جولائی ۱۹۰۶ء کو کوٹلی نوشہرہ ضلع سیالکوٹ (پاکستان) میں پنڈت گنپت رائے کے یہاں تولد ہوئے۔ ساحر نے ۱۹۳۲ء میں ایس۔ ڈی۔ کالج لاہور (پاکستان) سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ شاعری کا شوق بچپن سے تھا کالج پہونچکر یہ شوق پروان چڑھا۔ آپ کی پہلی تخلیق کالج میگزین میں شائع ہوئی۔ ابتدا میں آپ نے یگانہ چنگیزی سے اصلاح لی مگر یہ سلسلہ بہت دن نہ چل سکا کیونکہ یگانہ صاحب لکھنؤ واپس لوٹ گئے تھے بمگر ساحر صاحب نے مشق سخن جاری رکھی اور مختلف مشاعروں میں شامل ہوتے رہے۔ ایک مشاعرے میں حضرت جوش ملسیانی سے ملاقات ہوئی اور اُن کا کلام سُنا تو موصوف کی شخصیت اور علمیت سے متاثر ہوکر اُن کے حلقہ تلمذ میں شامل ہونے کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔ اُن کے دو مجموعۂ کلام "حریم سخن" ۱۹۵۹ء میں اور "شمیم سخن" ۱۹۶۸ء میں شائع ہوکر مقبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ آپ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۴ء تک "بزم فروغ اردو" جالندھر کے صدر رہے اور دیگر ادبی تنظیموں سے بھی وابستہ رہے۔ ان کا شمار جوش صاحب کے ممتاز شاگردوں میں ہوتا ہے۔ ان کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے۔ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ روزنامہ "پرتاپ" جالندھر سے منسلک ہو گئے۔ ادبی اجتماعوں اور مشاعروں میں آپ کو ادب واحترام سے مدعو کیا جاتا تھا۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے پروگراموں میں تادم حیات شرکت کرتے رہے۔ آپ کی وفات ۱۰ر جولائی ۱۹۸۴ء کو ہوئی۔ لاہور میں قیام کے دوران میں آپ ہری چند اختر۔ حفیظ جالندھری۔ فہیم گوالیاری۔ ڈاکٹر منوہر سہائے انور۔ جگر مرادآبادی۔ یگانہ چنگیزی اور قیس جالندھری کی قربت وصحبت میں رہے۔ ۱۹۶۶ء میں جوش صاحب نے فارغ الاصلاح کر دیا تھا۔ آپ کی ادبی خدمات کے اعتراف میں شاگردوں اور مداحوں نے ۱۹۶۶ء میں پٹیالہ میں جشن منایا دوسرا جشن ۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو جالندھر میں منایا گیا

ساحر سیالکوٹی

نمونۂ کلام

غزل

زندگانی کا یہ پہلو کچھ ظریفانہ بھی ہے
یعنی اس کی ہر حقیقت ایک افسانہ بھی ہے

تم جسے جیسا بنا دیتے ہو بن جاتا ہے وہ
فطرتاً ہر آدمی عاقل بھی دیوانہ بھی ہے

رنج ہی اکثر ہوا کرتا ہے راحت کا نشاں
جس جگہ تم دام دیکھو گے وہاں دانہ بھی ہے

وائے قسمت اک ہمیں محروم اس فن سے رہے
اپنے مطلب کے لیے ہُشیار دیوانہ بھی ہے

وُقعتِ میخانہ بھی اپنی جگہ کچھ کم نہیں
قابلِ تعظیم گو کعبہ بھی بت خانہ بھی ہے

دل کی فطرت عشق و الفت ہی میں اے ساحر کھُلی
یہ وہ کافر ہے کہ اپنا ہو کے بیگانہ بھی ہے

ساحر سیالکوٹی

متفرق اشعار

گلوں کو توڑتے ہیں سونگھتے ہیں پھینک دیتے ہیں
زیادہ بھی نمائش حسن کی اچھی نہیں ہوتی

سنبھل کر پاؤں رکھنا وادیٔ عشق و محبت میں
یہاں جو سیر کو آتا ہے، بچ کر کم نکلتا ہے

خلوصِ شوق میں ساحر بڑی تاثیر ہوتی ہے
وہیں کعبہ سمٹ آیا جبیں ہم نے جہاں رکھ دی

ہوتی ہے دوسروں کو ہمیشہ یہ ناگوار
اپنے سوا کسی کو نصیحت نہ کیجئے

اے شمعِ اہلِ بزم تو بیٹھے ہی رہ گئے
کہنے کی تھی جو بات وہ پروانہ کہہ گیا

یہ کیونکر مان لیں الفت ہمیں کرنی نہیں آتی
کیا ہے کام ہی کیا اور الفت کے سوا ہم نے

بڑھی ہے خانۂ دل میں کچھ اور تاریکی
چراغِ عشق جلایا تھا روشنی کے لیے

آر۔ ڈی۔ شرما تاثیرؔ

آر۔ ڈی شرما۔ تاثیرؔ کی پیدائش ۲۶ر مارچ ۱۹۳۵ء کو پنڈت گوپال داس کے یہاں پسنانوالہ ضلع گورداسپور میں ہوئی۔ ۱۹۶۱ء میں بی۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کرنے کے بعد انگریزی میں ایم۔ اے کیا۔ ۱۹۶۲ء میں پنجاب سرکار میں ملازمت کرلی۔ ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۷۳ء میں افسانہ نگاری سے ہوا۔ پھر شاعری کی طرف راجع ہوئے۔ ۱۹۷۸ء میں سب سے پہلی تصنیف (افسانوں کا مجموعہ) "راستہ کدھر ہے" شائع ہوئی۔ "خود ہی تماشا خود ہی تماشائی" آپ کا دوسرا افسانوں کا مجموعہ ہے۔ "لفظ لفظ آئینہ" مجموعہ کلام ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا اور "غزل اس نے چھیڑی" مجموعہ کلام زیر طبع ہے۔ "بزم فروغ اردو" جالندھر میں خازن رہ چکے ہیں۔ اِن دنوں چنڈی گڑھ میں ڈپٹی ڈائرکٹر ایمپلائمنٹ کے عہدے پر فائز ہیں۔ ملک کے مختلف مشاعروں میں شریک ہوتے رہتے ہیں اور دادِ سخن پاتے ہیں۔ ساحرؔ سیال کوٹی کے ارشد تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ "بہارِ ادب" چنڈی گڑھ کے جنرل سکریٹری ہیں۔ مجموعۂ کلام "لفظ لفظ آئینہ" پر مغربی بنگال اُردو اکادمی نے انعام دیا ہے۔

مستقل پتا:۔ ڈپٹی ڈائرکٹر ایمپلائمنٹ پنجاب۔ چنڈی گڑھ

غزل

لوگ سرگرمِ سفر تھے راستا کوئی نہ تھا
رہ نما ہی رہ نما تھے قافلا کوئی نہ تھا

گاؤں کے تو پیڑ پودے بھی تھے اپنے ہم کلام
اس مہا نگری میں لیکن ہم نوا کوئی نہ تھا

کیسی مجبوری کی زنجیروں میں جکڑے تھے وہ لوگ
سب بھرے بیٹھے تھے لیکن بولتا کوئی نہ تھا

یک بیک ہونے لگیں یہ کیسی دیواریں کھڑی
دو دلوں کے درمیاں جب فاصلا کوئی نہ تھا

میرے بارے میں اُنہیں کو کچھ غلط فہمی رہی
اپنے یاروں سے مجھے شکوہ گلا کوئی نہ تھا

پوچھنے سے پہلے ہی کہنے لگے تاثیرؔ وہ
غیر سے ملنے میں میرا مدعا کوئی نہ تھا

آر۔ ڈی شرما تاثیر

غزل

زہراب میرے واسطے لائے ہوئے ہیں لوگ
ہمدردیوں کا ڈھونگ رچائے ہوئے ہیں لوگ

سینے میں میرے کب کے وہ پیوست ہو چکے
جن خنجروں کو مجھ سے چھپائے ہوئے ہیں لوگ

افسوس ان کو رام کے بن باس کا بھی ہے
راون کو اپنے دل میں بسائے ہوئے ہیں لوگ

موسم کا حال ان کے رویّے سے جانئے
بدلی ذرا ہُوا کہ پرائے ہوئے ہیں لوگ

فرعون بھی یہی ہیں تو موسیٰ بھی ہیں یہی
اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے ہیں لوگ

سوئے ہیں کس سکون سے آغوشِ موت میں
کس درجہ زندگی کے ستائے ہوئے ہیں لوگ

تاثیر ان کی عقل کے قربان جائیے
اپنے ہی گھر میں آگ لگائے ہوئے ہیں لوگ

دھرم پال مرواہا جگر جالندھری

دھرم پال مرواہا جگر جالندھری خلف جناب دیسراج مرواہا کی پیدائش ۱۸ جنوری ۱۹۲۵ء کو بمقام سارنگدیو ضلع امرتسر (پنجاب) میں ہوئی۔ آپ نے ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی اور ادیب فاضل کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ان دنوں آپ پنجاب راج بجلی بورڈ پٹیالہ میں انڈر سکرٹری ہیں۔ ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۵۵ء میں ہوا۔ آپ کی پہلی تخلیق ۱۹۵۶ء میں روزنامہ "پرتاپ" جالندھر میں شائع ہوئی۔ ملک کے سرکاری اور غیر سرکاری مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ آپ قبلہ ساحر سیالکوٹی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہیں۔ ۱۹۶۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے "بہترین شاعر" کا اعزاز حاصل ہوا۔ ۱۹۷۲ء میں آپ کی پہلی تصنیف "سوزِ جگر" کے نام سے منظرِ عام پر آئی اور ۱۹۷۹ء میں "لختِ جگر" مجموعۂ کلام شائع ہوا۔ جس پر حکومتِ پنجاب نے ۱۹۸۰ء میں بہترین شعری تخلیق کا ایوارڈ دیا۔ ۱۹۸۴ء میں تیسرا مجموعۂ کلام شائع ہوا "خونِ جگر" جس پر یو۔پی اردو اکادمی نے انعام دیا۔ ۱۹۸۳ء میں آپ کو روٹری کلب پٹیالہ کی جانب سے کلچرل ایوارڈ بھی حاصل ہوا اور ۱۹۸۵ء میں آل انڈیا میر اکاڈمی لکھنؤ نے "میر ایوارڈ" سے نوازا۔ اس کے علاوہ مختلف اداروں سے انعامات و اعزازات حاصل کر چکے ہیں۔ آپ گزشتہ تین دہائیوں سے ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ ٹیلی ویژن۔ ریڈیو کے علاوہ آپ کا کلام مختلف رسائل میں چھپتا رہتا ہے۔ ۱۹۸۶ء میں ان کو "پنجاب بھاشا وبھاگ" کا ساحر لدھیانوی ایوارڈ اور سنہ ۱۹۹۱ء میں پنجاب بجلی بورڈ کے ادبی ایوارڈ کے علاوہ محکمۃ السنہ پنجاب کا شرومنی ساہتیہ ایوارڈ حاصل ہوا ہے۔

دستقل پتا:۔ مرواہا کاٹیج گلی ۶ گوربخش کالونی پٹیالہ (پنجاب)

نمونۂ کلام جگرؔ جالندھری

غزل

اے دوست! ترے ہجر میں تکلیف بڑی ہے
ایک ایک گھڑی مجھ کو قیامت کی گھڑی ہے

جو کہتا تھا مر کر مجھے آرام ملے گا
اُس شخص کی چوراہے پہ اب لاش پڑی ہے

دِل اُدر سرِ عام ترے عشق کا دعوٰے
مُنہ چھوٹا ہے حضرت کا مگر بات بڑی ہے

کیا خوُب نظارہ ہے ترے جلووں کا دل میں
آئینے میں سَو رنگ کی تصویر جڑی ہے

خوُد داری کی دولت بھی تو کچھ کم نہیں اے دل
بے شک تجھُے اس کام میں تکلیف بڑی ہے

یہ آپ کی محفل ہے کہ میدانِ قیامت
جس کو بھی یہاں دیکھو اُسے اپنی پڑی ہے

اُس پیڑ کی صُورت ہے جگرؔ اپنی تمنّا
پھل آتا نہیں جس پہ مگر چھاؤں بڑی ہے

جگر جالندھری

غزل

غم ہمارے ہی لیے ہوں یہ ضروری تو نہیں
ہم نے آنسو ہی پیے ہوں یہ ضروری تو نہیں

تم کو بھی کچھ تو جدائی نے ستایا ہوگا
ہمیں مر مر کے جیے ہوں یہ ضروری تو نہیں

میری فطرت بھی تو ہو سکتی ہے آزار طلب
تمہیں نے رنج دیے ہوں یہ ضروری تو نہیں

چاک دامن جو کیے پھرتے ہیں ان لوگوں نے
چاک سینے بھی کیے ہوں یہ ضروری تو نہیں

مدّعا جینے کا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے
تیرے وعدے پہ جیے ہوں یہ ضروری تو نہیں

ہم انہیں کے لیے ہوں یہ تو ضروری ہے مگر
وہ ہمارے ہی لیے ہوں یہ ضروری تو نہیں

خونِ دل سے بھی تو ہو سکتی ہیں سرخ آنکھیں جگر
ہم نے ساغر ہی پیئے ہوں یہ ضروری تو نہیں

اجیت کمار دلؔ

اجیت کمار دلؔ ولد پنڈت ملاوا رام کی پیدائش ۱۴ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو نکودر ضلع جالندھر میں ہوئی۔ بی۔ اے اور بی۔ ایڈ کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد ملازمت شروع کی۔ ان دنوں سرکاری ہائی اسکول نکودر ضلع جالندھر میں مدرس ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں ادبی زندگی کا آغاز ہوا اور ۱۹۵۹ء میں "ہند سماچار" جالندھر میں پہلی تخلیق شائع ہوئی۔ آپ پنڈت رگھبیر داس ساحرؔ سیالکوٹی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہیں۔ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۶ء تک "بزم ادب" نکودر کے سکریٹری رہے اور "جوشؔ ملسیانی کمیٹی" نکودر کے ۱۹۷۶ء سے سکریٹری ہیں۔ مختلف رسائل و جرائد میں کلام چھپتا رہتا ہے۔ جناب دلؔ قبلہ جوشؔ ملسیانی کے حقیقی بھانجے ہیں۔

مستقل پتا :- ۲۴۲ کرشن نگر۔ نکودر۔ ضلع جالندھر

غزل

کیا کہیں کس کی یاد آئی ہے
آنسوؤں نے جھڑی لگائی ہے

داغ دل میں نہ ہوں فزوں کیونکر
گلستاں میں بہار آئی ہے

اب سنبھالے سنبھل نہیں سکتا
دل نے کچھ چوٹ ایسی کھائی ہے

دل کے جانے کا غم نہیں ہم کو
ہم نے دولت یہ خود لٹائی ہے

ہو گئے ہو اداس کیوں اے دِلؔ
کس کی حضرت کو یاد آئی ہے

اجیت کمار ورؔل

غزل

اُن کو اپنے قریب دیکھا ہے
خواب مَیں نے عجیب دیکھا ہے

میری آنکھوں سے جتنا دور ہے وہ
اُتنا دل کے قریب دیکھا ہے

عشق کو کچھ نہ دے سکا خیرات
حُسن کو بھی غریب دیکھا ہے

پستیِٔ حال پر نہ ہو مایوس
کس نے اپنا نصیب دیکھا ہے

دل گیا دیکھتے ہی اُس بُت کو
سانحہ یہ عجیب دیکھا ہے
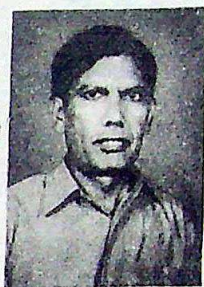
سکھ دیو شرما رشک

سکھ دیو شرما رشک ۲۰ فروری ۱۹۲۴ء کو پچھانہ تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ (پاکستان) میں پنڈت گنڈا مل کے یہاں تولد ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد فتح گڑھ چوڑیاں ضلع گورداسپور میں سکونت اختیار کی۔ آپ نے ایم۔ اے (اردو) کیا۔ ۱۹۵۲ء میں ہفتہ وار اخبار "چٹان" فیروزپور کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ یہیں سے ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ اور افسانہ نگاری کی طرف مائل ہوئے۔ شاعری کا شوق بعد میں پیدا۔ آپ ساحر سیالکوٹی کے شاگرد ہیں۔ "بزم فروغ اردو" جالندھر کے فعال رکن ہیں۔ دور درشن اور ریڈیو سے کلام نشر ہوتا رہتا ہے۔ ملک کے مختلف مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ آپ کا مجموعۂ کلام "پرواز رشک" مطبوعہ ۱۹۸۳ء اہلِ ذوق سے داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ ان دنوں آل انڈیا ریڈیو دہلی میں اسسٹنٹ اسٹیشن ڈائرکٹر کے عہدے پر فائز ہیں۔

مستقل پتا:۔ نزد گورنمنٹ گرلز اسکول۔ فتح گڑھ چوڑیاں ضلع گورداسپور

غزل

بھول کر اشک کو آنکھوں کا نہ پانی کہنا
اشک کو اشک نہیں غم کی کہانی کہنا

جس کی خوشبو ہو فقط چند ہی لمحوں کے لیے
اُس کو ہرگز نہ کبھی رات کی رانی کہنا

لوگ حاسد ہیں اُڑا لیتے ہیں خط اے قاصد
اُن سے جو بات مری کہنا زبانی کہنا

یہ تو مانا وہ مری جان کا دشمن ہے مگر
کیا ضروری ہے اُسے دشمنِ جانی کہنا

سُن کے رو اٹھتی ہیں جس بات کو آنکھیں میری
اے دلِ زار وہی بات پرانی کہنا

لُطف اُس شام میں ہے گزرے جو میخانے میں
رشک اُس شام کو ہی شام سہانی کہنا

سکھدیو شرما رشک

غزل

جس کو اللہ کی ہستی پہ یقیں ہو جائے
عین ممکن ہے کہ پتھر سے نگیں ہو جائے

وہ مرے دیدۂ دل کے جو قریں ہو جائے
زندگی اور حسیں اور حسیں ہو جائے

اے مرے خواب کی تعبیر مری جانِ غزل
سامنے آ کہ حقیقت کا یقیں ہو جائے

کعبہ و دیر و کلیسا سے نہیں کچھ مطلب
تیرے دیدار سے مطلب ہے کہیں ہو جائے

جس زمیں نے ترے قدموں کو دیا ہو بوسہ
کیوں نہ وہ غیرتِ فردوس بریں ہو جائے

تیرے اشعار سے اے رشکؔ محبت ہے عیاں
تجھ کو سودائے محبت نہ کہیں ہو جائے

ڈاکٹر کیول کرشن رشی

ڈاکٹر کیول کرشن رشی ۸ راگست ۱۹۳۷ء میں پنڈت گوپال داس کے یہاں پیدا ہوئے۔ ایم۔ ایس۔ سی کرنے کے بعد پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور درس و تدریس کو ذریعہ معاش بنایا۔ ادبی زندگی کا آغاز کالج ہی کے زمانے سے ہوا۔ آپ کی سب سے پہلی تخلیق ۱۹۸۰ میں روزنامہ "پرتاپ" جالندھر میں شائع ہوئی۔ آپ ساحر سیالکوٹی کے شاگرد ہیں۔ ان دنوں کئی سائنسی تنظیموں سے وابستہ ہیں۔ سائنس کے میدان میں آپ نے کئی قابلِ قدر کام انجام دیئے ہیں۔ سائنسی موضوعات پر دو کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ اپنی تحقیق کے سلسلے میں جاپان کا بھی دورہ کر چکے ہیں۔ آجکل کوروکشیتر یونیورسٹی۔ کوروکشیتر میں شعبۂ معدنیات میں ریڈر ہیں۔ مجموعۂ کلام "تحریرِ شوق" حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ جس کو مغربی بنگال اردو اکادمی نے انعام سے نوازا ہے۔

مستقل پتا :۔ ۹ ٹیچر فلیٹ۔ کوروکشیتر یونیورسٹی۔ کوروکشیتر (ہریانہ)

نمونۂ کلام

ڈاکٹر کیول کرشن رشی

غزل

مانگے بغیر مجھ کو اپنی کتاب دینا
اُس میں چھپا کے میرے خط کا جواب دینا

دیکھا اُسے تو مُنہ سے بے ساختہ یہ نکلا
دینا جسے بھی یارب ایسا شباب دینا

مجھ میں سما نہ جائے اِس زندگی کی تلخی
ساقی شراب دینا، ساقی شراب دینا

گزُرے ہیں زندگی میں ایسے بھی دن رِشی پر
خود ہی سوال کرنا۔ خود ہی جواب دینا

ڈاکٹر کیول کرشن رشی

غزل

جو کہہ رہے تھے مرے ساتھ ساتھ آئیں گے
مجھے خبر تھی وہی ساتھ چھوڑ جائیں گے

جو گھر بناؤ تو اک پیڑ بھی لگا لینا
پرندے سارے محلے میں چہچہائیں گے

زمیں بھی پاؤں نہیں رکھنے دیتی اب ہم کو
ہمیں یہ ضد تھی نیا آسماں بنائیں گے

تلاشِ منزلِ حق ہے تو پھر اکیلا چل
کہ اس سفر پہ کبھی قافلے نہ جائیں گے

خدا کے واسطے ان کو نصیحتیں نہ کرو
یہ نیک بچے بُرے کام سیکھ جائیں گے

غزل کہی ہے یہ ہم نے رشی تردد سے
سخن نواز ملیں گے تو ہم سنائیں گے

سحرؔ پریمی

دیویندر کمار بھلّہ سحرؔ پریمی ۲۲ نومبر ۱۹۳۴ء کو ڈاکٹر جگن ناتھ بھلّہ کے یہاں نارووال ضلع سیالکوٹ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ بی۔ٹی کرنے کے بعد انگریزی اور تاریخ میں ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں اور درس وتدریس سے منسلک ہوگئے۔ آجکل گورنمنٹ ہائی اسکول پٹی کلیانہ (ہریانہ) میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔ آپ کی پہلی تخلیق ۱۹۵۱ء میں روزنامہ "اجیت" جالندھر کے سنڈے میگزین میں چھپی۔ آپ رگھبیر داس ساحرؔ سیالکوٹی کے شاگرد ہیں۔ "بزم ادب" جالندھر کے ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۹ء تک سکریٹری رہے۔ لائنز کلب سمالکھہ کے ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۰ء تک سکریٹری رہے۔ مجموعۂ کلام "سحرِ سخن" ہریانہ اردو اکادمی کے مالی تعاون سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔

مستقل پتا:۔ ماڈل ٹاؤن سمالکھہ (کرنال)

غزل*

غم کا اِک طوفان ہو جیسے
حشر کا ہر اِمکان ہو جیسے

آج بشر اُیسے جیتا ہے
جینا اِک بُہتان ہو جیسے

آج مِلا یوں ہم سے کوئی
مُدّت سے پہچان ہو جیسے

وہ آجائیں۔ وہ آجائیں
اب تو یہی ارمان ہو جیسے

سحرؔ کو سب یوں دیکھ رہے ہیں
آج ہی کا مہمان ہو جیسے

سحر پریمی

غزل

جہاں میں اب کسی کا بھی کسی کو ڈر نہیں رہا
خُدا خُدا نہیں رہا بشر بشر نہیں رہا

کسی کے درد کا کوئی بھی چارہ گر نہیں رہا
دوا ہی کیا دُعا میں بھی کوئی اثر نہیں رہا

ہر آدمی خدُا بنا ہے اب تو اپنے زُعم میں
خُلوص سے جُھکے کہیں کوئی وہ سر نہیں رہا

ہیں سجدے اب بِکے ہُوئے ہر آستاں ہے اِک دُکاں
جُھکے جہاں پہ خود ہی سر وہ سنگِ در نہیں رہا

یہ دَورِ نَو ہے بے سبب ہی اس میں دِل جلائے کیوں
کہ پہلے کچھ حزیں تھا سحرؔ اب مگر نہیں رہا

نازؔ لائلپوری

روشن لال شرما نازؔ لائلپوری کی پیدائش ۲۱ ستمبر ۱۹۴۲ء کو جڑانوالہ ضلع لائلپور (پاکستان) میں ہوئی۔ آپ کے والد پنڈت گنپت رائے شہر کی معروف شخصیت تھی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے مستقل سکونت سونی پت میں اختیار کی۔ سول انجنیئرنگ میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ ملازمت میں جی نہ لگا تو کپڑے کی تجارت شروع کردی۔ ۱۹۷۰ء میں ادبی زندگی کی شروعات ہوئی اور اصلاح سخن کے لیے آپ ساحر سیالکوٹی کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ سونی پت سے شائع ہونے والے ہفت روزہ " اشوک چکر " کے اعزازی مدیر بھی رہے اور " ادبی سنگم ہریانہ " کے آرگنائزنگ سکریٹری بھی ہیں۔ آپ کا مجموعۂ کلام " ناز و نیاز " منظر عام پر آچکا ہے جو عوام سے داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ مختلف مشاعروں اور آکاش وانی کے پروگرام میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔

مستقل پتا:- ۱۷۴ مشہد (کرشن پورہ) ناز کاٹیج۔ سونی پت (ہریانہ)

غزل

جیسے جیسے عالمِ امکاں بدلتا جائے گا
ذہنِ انساں نت نئے سانچوں میں ڈھلتا جائے گا

ہو سکے تو اپنی خوشیاں درد کے ماروں میں بانٹ
زندگی کا کارواں تو یوں ہی چلتا جائے گا

عین ممکن ہے اُسے دنیا ہوس کا نام دے
دل کا جو ارمان بھی دل سے نکلتا جائے گا

میرے اُس اِک اشک کی قیمت میرے ہمدم نہ پوچھ
آنکھ سے جو تیرے دامن تک مچلتا جائے گا

نازؔ اُس کے ہو نہیں سکتے مراحل سدِّ راہ
جس کو منزل پر پہنچنا ہے وہ چلتا جائے گا

ناز لائلپوری

غزل

آنچل جو ڈھلکتا ہے اُن کا کبھی شانوں سے
پائل کی صدا آ کر ٹکراتی ہے کانوں سے

اپنی ہی ہلاکت کا باعث ہوئے جاتے ہیں
جو تیر نکلتے ہیں آج اپنی کمانوں سے

ہم نے رہِ الفت میں آ کر یہی سیکھا ہے
منزل کا پتہ لینا قدموں کے نشانوں سے

اِک بار بھی جو سُننا ہم کو نہ گوارا تھا
سَو بار سُنا ہم نے دنیا کی زبانوں سے

جس نے کبھی دنیا کی پروا ہی نہیں کی تھی
وہ نازؔ سے ملتا ہے اب لاکھ بہانوں سے

نریش کمار درد

نریش کمار درد خلف شری رام چند ۸ ستمبر ۱۹۵۹ء کو محلہ مشہد سونی پت میں پیدا ہوئے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد آپ نے تجارت شروع کردی۔ ان دنوں ایمبرائیڈری ایکسپورٹ کا کام کر رہے ہیں۔ بچپن سے ہی شاعری کا شوق تھا مگر باقاعدہ شعر گوئی ۱۹۸۰ میں شروع ہوئی۔ آپ کی پہلی تخلیق ۱۹۸۴ء میں "اشوک چکر" سونی پت میں شائع ہوئی۔ شاعری میں رہنمائی کے لیے ناز لائلپوری کے دامنِ فیض سے وابستہ ہیں۔ "ادبی سنگم" ہریانہ سونی پت کے ایک فعال رُکن ہیں۔

مستقل پتا : مکان نمبر ۹۶ محلہ مشہد سونی پت (ہریانہ)

نرپش کمار درد

نمونۂ کلام

غزل

محفل میں سب کے سامنے رسوا مجھے کیا
میری وفا کا آپ نے اچھا صلہ دیا

اِک لمحے کے لیے بھی نہ راحت ہوئی نصیب
تھی زندگی بھی جیسے کِسی جُرم کی سزا

چھپ کر تو میکدے کی طرف جا رہے تھے شیخ
ہم پر پڑی نگاہ تو مسجد کا رُخ کیا

اے شمع تُو جلی ہے جو خاموش بزم میں
چپ چاپ تیری آگ میں پروانہ بھی جلا

میں آشیاں چمن میں بناتا رہوں گا دردؔ
برقِ تپاں جلاتی رہے مجھ کو اس سے کیا

نریش کمار درد

غزل

اُمیدوارِ لطف نہیں ہیں کسی سے ہم
مایوس اس لیے بھی نہیں زندگی سے ہم

ان کی جفائیں سہہ نہ سکے خوش دلی سے ہم
کیا صلح کر سکیں گے غمِ زندگی سے ہم

ہیں مست اور بیخود و سرشار آج تک
اِک روز کیا ملے تھے کسی اجنبی سے ہم

وہ اب ہمارے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں دردؔ
ڈر یہ ہے مر نہ جائیں کہیں اس خوشی سے ہم

ستیہ پرکاش سالک

ستیہ پرکاش سالک ۷ فروری ۱۹۰۷ء کو مراد پور ضلع ہوشیار پور میں تولد ہوئے
ابتدائی تعلیم مقامی اسکول میں حاصل کرنے کے بعد آپ ایف سی کالج لاہور میں
داخل ہوئے۔ لاہور کی ادبی فضا میں آپ کو ذوقِ شعر وسخن پیدا ہوا۔ جسے پنڈت
ہری چند اختؔر اور حفیظ جالندھری کی قربت میں ترقی ملی۔
ایم۔اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ فوج میں داخل ہوئے۔
سی۔آئی۔ڈی۔ کی رپورٹ موافق نہ ہونے کی وجہ سے پھر کالج میں داخل ہونا پڑا۔ لاکالج
لاہور سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور پھر ٹریننگ کالج لاہور سے ایس۔اے۔وی
کا امتحان پاس کیا اور گورنمنٹ کالج، ٹانڈہ میں ملازمت کی۔ شاعری کا شوق طالب علمی
کے زمانے سے تھا۔ قبلہ جوشؔ ملیانی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں۔ آپ
کی مختلف ادبی و ثقافتی تنظیموں سے وابستگی رہی۔ گذشتہ پانچ دہائیوں تک
خدمتِ ادب انجام دیتے رہے۔ آپ کے کلام میں سلاست اور روانی ہے۔
اظہارِ جذبات کے لیے جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے رہے ڈی اے وی کالج
ہوشیار پور سے پرنسپل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ۱۰ اور ۳ نومبر ۱۹۸۹ء کو آپ اس جہانِ
فانی سے رخصت ہوگئے۔

نمونۂ کلام　　　　　　ستیہ پرکاش سالک

غزل

سپنا ہے جواں سال محبت کا سُہانا
اے اہلِ خرد دیکھنا۔ مجھ کو نہ جگانا

گلشن میرا مسکن ہے۔ نہ صحرا میرا گھر ہے
اِک نکہتِ برباد ہوں۔ کیا میرا ٹھکانا

پابندِ سلاسل مجھے رکھنا نہیں آساں
کچھ سوچ سمجھ کر مجھے دیوانہ بنانا

پردے رُخِ روشن کے اُٹھا دیں گے نظر سے
ہم دیکھنے پر آئے تو دیکھے گا زمانہ

ہاں پیار سے من جائے تو من جائے یہ شائد
اے اہلِ خرد دل ہے۔ یہ منطق سے نہ مانا

کیا یاد رہے ایسے بزرگوں کی نصیحت
جو بھول گئے اپنی جوانی کا زمانہ

سَو عیب تھے سالکؔ میں، مگر ایک صفت تھی
اخلاص میں تھا فرد۔ محبّت میں یگانہ

ستیہ پرکاش سالک

غزل

حسّاس دلوں کا نہیں دنیا میں گزارا
احساس کو کیا کیجئے احساس نے مارا

شرم آگئی آخر اُنہیں خود حُسنِ کرم کی
ہم نے تو صدا کی نہ کبھی ہاتھ پسارا

ناچار توکّل بخدا بیٹھ رہے ہم
چلتی رہی کشتی۔ اسے کھیتا رہا دھارا

"پیغامِ اجل" کہہ کے ہراساں نہ کریں لوگ
مَیں خوب سمجھتا ہوں مجھے کس نے پُکارا

اب شکوۂ آلامِ سفر ہو بھی تو کیا ہو
منزل پہ پہنچ ہی گیا۔ کوئی تھکا ہارا

وہ عہدِ جوانی۔ وہ محبّت بھرے پیماں
ہاں یاد ہے اب تک مجھے راوی کا کنارا

رہنے دے اب اِس قصّۂ پارینہ کو سالک
دُکھتی ہوئی رگ ہے نہ اِسے چھیڑ خدُارا

اعجاز وارثی

الحاج اعجاز حسین اعجاز خلف جناب احمد حسین ۳ فروری ۱۹۱۱ء کو پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ گھر پر تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملازمت شروع کی۔ شعر گوئی کی ابتدا ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ پہلی غزل ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو "بزم سخن" (گلدستہ مشاعرہ المہدی صد ۴۶ سنبھل میں شائع ہوئی۔ استفادۂ سخن کے لیے آپ نے احسن مارہروی کے روبرو زانوے ادب تہہ کیا۔ آپ "انجمن شمع ادب" سنبھل اور انجمن "اشاعت اردو" سنبھل کے صدر اور حالی اکیڈمی مراد آباد کے سرپرست ہیں اعجاز صاحب سرکل انسپکٹر (پولیس) کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ آپ کے دو مجموعۂ کلام منظر عام پر آچکے ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں "پیش دستی" (طنز و مزاح) اور ۱۹۸۴ء میں "گلِ صحرا" (غزلیں رباعیاں قطعے)۔ اور ۱۹۸۵ء میں "سخن پارے" (تذکرہ شعرائے سنبھل) آپ نے مرتب کر کے شائع کیا۔ "پیش دستی" پر اتر پردیش اردو اکادمی نے ۵۰۰ روپیہ اور "گلِ صحرا" پر ہزار روپیہ کے انعام سے نوازا۔ آپ کے مجموعہ ہائے کلام کو عوام میں کافی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ مختلف مشاعرے ریڈیو، ٹیلی ویژن کے پروگراموں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ کراچی یونیورسٹی کی دعوت پر ۱۹۸۲ء میں انڈو پاک مشاعرے میں شریک ہوئے۔ ۳ فروری ۱۹۸۷ء کو موصوف کی ۷۶ ویں سالگرہ کے موقعہ پر ایک تہنیتی تقریب سنبھل میں منعقد ہوئی، اور ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں "نذر اعجاز" کی رسم اجرا عمل میں آئی۔ حال ہی میں رسالہ صائب' ٹونک کا اعجاز وارثی نمبر شائع ہوا ہے۔ کثیر التلامذہ ہیں۔ اور جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی فرماتے ہیں۔

مستقل پتا:۔ کوٹ غربی۔ سنبھل، ضلع مراد آباد (یو۔ پی)

غزل
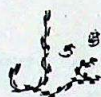
ہر نفس چبھتا ہے احساس میں کانٹے کی طرح
اب تو جینا بھی میسّر نہیں جینے کی طرح

مطلبی چہروں پہ زہرابِ خوشامد کا فریب
آج بھی چلتا ہے بازار میں سکّے کی طرح

دلِ صد پارہ کو اس طور نہ دیکھو بھالو
چُبھ نہ جائے کہیں ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرح

لاکھ مجھ پر بھی تقاضائے مہ و مہر رہا
میں بدلتا ہوں کہیں، شام سویرے کی طرح

دُور تک کوئی کنارا، نہ سہارا نہ صدا
ہر طرف دیکھتا ہوں ڈوبنے والے کی طرح

ہاتھ آئے ہے نہ چھوڑے ہی بنے ہے اعجازؔ
ہائے یہ زندگی انگور کے خوشے کی طرح

اعجاز وارثی

غزل

جس کو دیکھو بے وفا ہے آئینوں کے شہر میں
پتھروں سے واسطہ ہے آئینوں کے شہر میں

روز حرفِ آرزو پر ٹوٹتے رہتے ہیں دل
روز عرضِ مدّعا ہے آئینوں کے شہر میں

قہقہے لگتے ہیں آوازِ شکستِ دل کے ساتھ
کب کوئی درد آشنا ہے آئینوں کے شہر میں

حسن والو کس لیے اعجازؔ سے یہ اجتناب
اِک وہی تو پارسا ہے آئینوں کے شہر میں

متفرق اشعار

اے سنگِ آستاں مرے سجدوں کی لاج رکھ
آیا ہوں اعترافِ شکستِ خودی لیے

=

چڑھتے سورج کی مدارات سے پہلے اعجاز
سوچ لو، کتنے چراغ اس نے بجھائے ہوں گے

=

دربانوں تک کے چہرے رعونت سے مسخ ہیں
دستِ طلب لیے ہوئے پھر بھی کھڑے ہیں لوگ

=

راہ رو! بچ کے چل درختوں سے
دھوپ دشمن نہیں ہے سائے ہیں

=

برسوں میں بھی چھو جائے کسی کو تو غنیمت
خوشبوئے وفا یارو بڑی سست قدم ہے

=

آپ آئے ہیں، حال پوچھا ہے
ہم نے ایسے بھی خواب دیکھے ہیں

=

میں اس کے عیب اس کو بتاتا بھی کس طرح
وہ شخص آج تک مجھے تنہا نہیں ملا

مطلوب حسین اجملی آہ

مطلوب حسین نام، اجملی عقیدت مندانہ اضافہ اور آہ تخلص۔ ولدیت عبدالمجید صاحب اور سکونت تمر داس سرائے سنبھل۔

آہ صاحب نے پہلی غزل ۱۹۵۹ء میں کہی۔ آپ نے ابتدائی کلام پر مولانا سلطان اشرف اور اظہر کمالی بدایونی سے اصلاح لی۔ اس کے بعد آپ حضرت اعجاز وارثی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہو گئے۔

آپ کا ایک نعتیہ مجموعہ "صہبائے گل" شائع ہو چکا ہے۔ آہ صاحب سنبھل کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے تھے۔ آپ انجمن اشاعت اردو سنبھل کے جوائنٹ سکریٹری تھے۔ سرائے تمر داس، سنبھل میں مستقل قیام تھا۔ ۲ر اپریل ۱۹۹۰ء کو پچاس برس کی عمر میں پتھری کے مرض سے راہیٔ ملکِ عدم ہوئے۔

؎ خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

مطلوب حسین اجملی آہ

نمونۂ کلام

متفرق اشعار

غم بظاہر تو بہت تلخ ہے لیکن اے آہ
یہی انسان کو انسان بنا دیتا ہے

•

کوئی ہمدم ہے نہ پُرساں ہے خدا خیر کرے
دشمنِ جاں، غمِ دوراں ہے خدا خیر کرے

•

شامل تھی اس میں تلخیٔ غم بھی، خبر نہ تھی
ساقی کے اذنِ عام پہ ساغر اٹھا لیا

•

جذبۂ شوق تری حوصلہ افزائی نے
پُرسکوں، ہائے، کوئی لمحہ گزرنے نہ دیا

پرویز عالم پرویزؔ

پرویز عالم پرویزؔ ولد جناب عبدالمجید کی پیدائش ۱۰ اپریل ۱۹۵۹ء کو محلہ کھگو سرائے سنبھل میں ہوئی۔ آپ بچپن میں ہی سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے لیکن بھائیوں کی شفقتوں سے آپ نے ۱۹۷۹ء میں ایم۔کام اور ۱۹۸۲ء میں ایل۔ایل۔بی کی ڈگری حاصل کی۔ پرویزؔ صاحب کے ادبی ذوق کی ابتدا نثر نگاری سے ہوئی مگر بعد میں شاعری کی طرف راغب ہوئے۔ آپ نے ابتدائی کلام پر حضرتِ قمرؔ مرادآبادی سے اصلاح لی۔ اب جناب اعجازؔ وارثی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہیں۔ پرویزؔ صاحب انجمن اشاعتِ اردو کے مشیر قانونی ہیں۔

مستقل پتا :۔ انجمن اشاعتِ اُردو، کوٹ غربی، سنبھل ضلع مرادآباد (اُتر پردیش)

متفرق اشعار

میں اپنے آپ کو تنہا کبھی نہیں پاتا
وہ سایہ بن کے مرے ساتھ ساتھ رہتا ہے

=

مل ہی جاتا ہے کوئی دل کو دُکھانے والا
ورنہ اِس دَور میں جینے کا سہارا کیا ہے

=

جب ترے نقش پا نہیں پائے
چل کے ہم چند گام لوٹ آئے

=

ترے خیال نے اِتنا بدل دیا مجھ کو
کہ اپنے آپ کو پہچاننا بھی مشکل ہے

=

مجھ سے جُدا ہُوا تو حسیں خواب دے گیا
آنکھوں کو میری تحفۂ نایاب دے گیا

فضل الرحمٰن انصاری شفقؔ

شفقؔ صاحب کی ولادت سنبھل کے محلہ کوٹ غربی میں تقریباً بادن ترپن برس قبل چودھری عزیز الرحمٰن صاحب کے یہاں ہوئی۔ شفقؔ صاحب کو نعت خوانی کا شوق بچپن سے تھا۔ رفتہ رفتہ یہ شوق نعت گوئی میں بدل گیا۔ اور پھر نعت کے ساتھ ساتھ غزل اور قطعہ بھی کہنے لگے۔ شفقؔ صاحب جناب اعجاز وارثی کے حلقہ تلمّذ میں شامل ہیں۔ آپ انجمن اشاعتِ اردو کے ایک اہم رُکن ہیں۔

مستقل پتا:۔ محلہ کوٹ غربی۔ سنبھل، ضلع مراد آباد (اُتر پردیش)

متفرق اشعار

یہ گُل جو گریۂ شبنم کے رازداں ہوتے
ضرور واقفِ انجامِ گلستاں ہوتے

تلاشِ یار، مبارک تجھے عروجِ حیات
چلا ہوں آج سوئے دار مسکراتا ہوا

عشق کی آگ اِک قیامت ہے
دل جلے اور دھواں نہیں ہوتا

رسائی جس کی ہو دار و رسن تک
جنوں وہ بے سر و ساماں نہیں ہے

شریکِ حُسن وہ پہلی سی سادگی نہ رہی
سنور گئے ترے گیسو تو برہمی نہ رہی

حکیم محمد شکیل جعفری

محمد شکیل جعفری شکیلؔ، پیشہ طبابت، والد کا اسم گرامی حکیم بنّے علی جعفری، عمر تقریباً ۴۵ برس قصبہ آنولہ کے قدیمی باشندے ہیں لیکن اب تقریباً ۱۸ برس سے سنبھل میں مطب کرتے ہیں۔ آپ کی شاعری کا آغاز اوائل عمری میں ہوا۔ ابتدائی کلام پر اپنے ماموں حکیم رشید جعفری صاحب سے اصلاحِ سخن لی۔ بعد میں دوسرے ماموں جناب مختار ہاشمی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ مختار صاحب کے انتقال کے بعد آپ حضرت اعجاز وارثی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہو گئے۔ آپ مہاتما گاندھی میموریل ڈگری کالج سنبھل کے مجلس عاملہ کے ممبر ہیں اور انجمن اشاعت اردو سنبھل کے مشیر خاص۔

مختار ہاشمی صاحب کی موت پر آپ نے تاریخی قطعہ کہا تھا۔

مستقل پتا:۔ انجمن اشاعت اُردو۔ کوٹ غربی، سنبھل، ضلع مراد آباد (اُتر پردیش)

نمونۂ کلام

حکیم محمد شکیلؔ جعفری

قطعہ تاریخ

وفاتِ مختار ہاشمی

پھر فکر و فن کا ایک ستارہ ہوا غروب
ماتم کدہ پھر آج ہے دنیائے شاعری

اور اک چراغ بُجھ گیا ایوانِ شعر کا
کم ہوگئی پھر آج شبستاں کی روشنی

تصویرِ انکسار، مُحب، پیکرِ خلوص
اللہ بخشے خوب تھے مختار ہاشمی

ہوگا نہ اب نصیب دبستانِ داغؔ کو
وہ ماہرِ عروض وہ اُستادِ شاعری

ظاہر ہوا گراں ہے "ستتّر" کی ابتدا
اردو کو داغ دے گئی جب "سترّہ" جنوری

پڑھ تو لیا تھا آپ کا مجموعۂ کلام
لیکن شناخت اب ہوئی "گردش کے رنگ" کی

تاریخِ انتقال کی ہو فکر گر شکیلؔ
کھا کر قسم یہ کہیئے کہ مختار ہاشمی

۱۵۹۷
۲۰۰
۱۳۹۷ ہجری
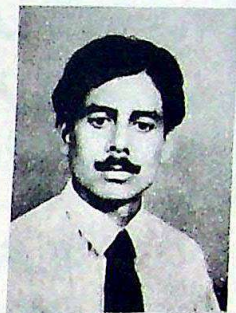
گلزار ملک

افضال احمد نام ، گلزار ملک قلمی نام ، تاریخ پیدائش ١٦ مارچ ١٩٥٨ء سکونت محلہ ڈونگر سرائے سنبھل ۔ ان کے والد جناب بشیر احمد صاحب مقامی میونسپل بورڈ میں محرر تھے ۔ آپ نے ہندو کالج مراد آباد سے بی ۔ ایس ۔ سی کرنے کے بعد ایل ایل بی کی ڈگری بھی حاصل کی ۔ شاعری کا شوق آپ کو طالبِ علمی کے زمانے سے ہے ۔ ان کی پسندیدہ صنفِ سخن غزل ہے ۔ آپ کو الحاج اعجاز وارثی صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل ہے ۔ انجمن اشاعتِ اردو سنبھل کے آپ جوائنٹ سکریٹری ہیں ۔

مستقل پتا : محلہ ڈونگر سرائے سنبھل ، ضلع مُراد آباد (اُتر پردیش)

گلزار ملک

نمونۂ کلام

متفرق اشعار

کتنا بڑا تھا حادثہ یہ زندگی کے ساتھ
مدّت میں وہ ملا تو مگر بے رُخی کے ساتھ

جب بھی گزرے دنوں کی یاد آئی
ہنستے ہنستے ہی آنکھ بھر آئی

بارہا عہد کیا دل سے بھُلانے کا تجھے
پھر بھی اے جانِ جہاں تجھ کو بھلایا نہ گیا

انگلیاں تیری ہی زخمی نہ کہیں ہوں پہلے
پھول سے ہاتھ میں پتھر کو اُٹھانے والے

یہ بھی کبھی سوچا ہے اے حُسن کے شیدائی
کانٹوں سے گزرتا ہے پھولوں کا تمنّائی

عبدالرحیم وارثی نورؔ

عبدالرحیم نام۔ لفظ وارثی عقیدت مندانہ وابستگی کا مظہر، نورؔ تخلّص۔ یکم مارچ ۱۹۲۶ءؔ کو محلہ محمود خاں سرائے، سنبھل میں حکیم عبدالحکیم صاحب کے یہاں تولّد ہوئے۔ نورؔ صاحب کو اچھے اشعار جمع کرنے کا شوق شروع سے ہی تھا مگر والدۂ ماجدہ کے انتقالِ پُرملال کے بعد آپ نے نعتیہ اشعار کہنے شروع کر دیئے۔ یہی آپ کی شاعری کی ابتدا ہے۔ اس کے بعد آپ غزل، نظم، قطعہ بھی کہنے لگے۔ آپ الحاج اعجازؔ وارثی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہیں۔ اور انجمنِ اشاعتِ اردو سنبھل کے خزانچی ہیں۔ نورؔ صاحب مقامی پرائمری اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔

مستقل پتا: محلّہ محمود خاں سرائے۔ سنبھل، ضلع مُرادآباد (اُتّر پردیش)

نمونۂ کلام

عبدالرحیم وارثی نورؔ

منتخب اشعار

جو دل مظلوم کے دُکھ درد میں شامل نہیں ہوتا
اسے پتھر تو کہہ سکتے ہیں لیکن دل نہیں ہوتا

شاید پہونچ گیا ہوں منزل کے آس پاس
طوفاں سے اُٹھ رہے ہیں مرے دل کے آس پاس

ناکامیوں کا حال ذرا اس سے پوچھئے
جس کا سفینہ ڈوبا ہو ساحل کے آس پاس

درحقیقت موت کی اِک شکل ہے دستِ سوال
زندگی کیا زندگی ہے ہاتھ پھیلانے کے بعد

پاؤں اُٹھتے نہ ہوں جس جا پہ خردمندوں کے
ایسی راہوں پہ یہ دیوانے گزر جاتے ہیں

مُشرّف حسین رضوی وفا

مُشرف حسین وفا کی پیدائش ۲۳، نومبر ۱۹۲۴ء کو محلہ محمود خاں سرائے سنبھل میں جناب عزت اللہ صاحب کے یہاں ہوئی۔ مگر آج کل کوٹ غربی میں سکونت پذیر ہیں شاعری کا شوق اوائل عمری سے ہے۔ آپ کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے۔ آپ الحاج اعجاز وارثی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں اور انجمن اشاعتِ اردو کے سرگرم رکن ہیں۔
مستقل پتا:۔ کوٹ غربی سنبھل، ضلع مراد آباد (اُترپردیش)

متفرق اشعار

جن گلوں پر تھا وفاؔ ناز، وہ کانٹے نکلے
گلشنِ زیست میں اب کوئی ہمارا نہ رہا

—

جو نازشِ گلشن تھے جو فخرِ گلستاں تھے
کچھ ایسے نشیمن بھی بجلی نے جلا ڈالے

—

نہ دیکھو لالہ و گل کو ذرا ادھر دیکھو
یہی بہار دلِ داغ دار میں ہوگی

—

دیکھی چمن میں اہلِ چمن کی جو بے رخی
اپنے ہی ہاتھوں اپنا نشیمن جلا لیا

—

تیرگی کو نہ ہم نے ابھرنے دیا
دل جلاتے رہے روشنی کے لیے

ڈاکٹر پرکاش مونس

ڈاکٹر پرکاش مونس ولد لالہ بحال سنگھ، ستمبر ۱۹۱۱ء کو سیوہارہ ضلع بجنور (یوپی) میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے یوپی بورڈ سے پرائیویٹ ہائی اسکول اور انٹر کے امتحانات پاس کئے بعد میں آگرہ یونیورسٹی سے بی۔ اے اور ناگپور یونیورسٹی سے ایم۔ اے اردو پاس کیا۔ آگرہ یونیورسٹی سے ہی "اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر" کے نام سے مقالہ لکھا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ ابتدا میں ساغر سیوہاروی سے اصلاح لی اور بعد میں جناب یاسؔ سنبھلی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہو گئے۔ موصوف شعر گوئی کے علاوہ نثری مضامین بھی لکھتے ہیں۔ مضمون نگاری ان کا پسندیدہ شوق ہے آپ ملک کے مشہور محقق ڈاکٹر گیان چند جین کے بڑے بھائی ہیں آپ کو پی ایچ ڈی کے مقالہ پر اتر پردیش اردو اکادمی انعام سے بھی نوازا جا چکا ہے۔ اور آپ ۱۹۸۶ء میں یوپی ورکنگ جرنلسٹ کی جانب سے قاسم چاندپوری ایوارڈ بھی حاصل کر چکے ہیں۔ ایک مدت تک آپ روٹری کلب بجنور سے بھی وابستہ رہے ۱۹۵۴ء میں آپ وکالت کے پیشے سے منسلک ہو گئے اور مستقل سکونت بجنور میں اختیار کر لی۔ بجنور بار ایسوسی ایشن کے آپ نائب صدر رہیں۔ سنٹرل یونیورسٹی حیدرآباد میں آپ کے نام سے ایک گولڈ میڈل ہر سال ایم۔ اے اردو میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے طالب علم کو دیا جاتا ہے۔

مستقل پتا:۔ ڈاکٹر پرکاش مونس، ایڈووکیٹ سول لائینز، بجنور (یوپی)

نمونۂ کلام ڈاکٹر پرکاش مونس

رباعی

اچھی نہیں یہ پیش و پسِ جامِ شراب
ہوتی ہے کِسے دسترسِ جامِ شراب
پی بھی لے مے توبہ شکن اے زاہد
ہو بھی جا شکارِ ہوسِ جامِ شراب

قطعات

ضبط ہے پختگیِ عشق کا حاصل، ورنہ
ہے کسک دل میں بدستور تمہیں کیا معلوم
میں بھی ناواقفِ انجام نہیں ہوں، لیکن
آدمی دل سے ہے مجبور، تمہیں کیا معلوم

جنسِ اعلا کا خریدار چلا جاتا ہوں
اب بھی اردو کا پرستار چلا جاتا ہوں
شعر گوئی تو ہوئی ترک کبھی کی مونس
ہاں تخلص کا گنہ گار چلا جاتا ہوں

ڈاکٹر پرکاش مونس

منتخب اشعار

کس پرستان سے یہ حُسن سراپا اُترا
لوگ سمجھے کہ کوئی چاند کا ٹکڑا اُترا

کتنی ناقص نظر آتی ہے یہ میزانِ خرد
آج تک اُس پہ نہ مذہب کوئی پُورا اُترا

میرے مرنے پہ ہے احساسِ ندامت شاید
آج چہرا مرے قاتل کا ہے اُترا اُترا

شمع بجھنے کو ہے اور رات ڈھلی جاتی ہے
اپنی یادوں کو بُلا لو مجھے نیند آتی ہے

تیری دوشیزگی ہنستی تھی کبھی پھولوں پر
اب تجھے دیکھ کے کلیوں کو ہنسی آتی ہے

دم زیرِ پائے ساقیِ محفل نکل گیا
اچھا ہُوا کہ حوصلۂ دل نکل گیا

کیوں حُسن کو ملا نہ مشیّت پہ اختیار
وہ دیکھتے رہے دمِ بسمل نکل گیا

اُف بے خودیِ شوق میں وارفتگی مری
منزل سے دُور سینکڑوں منزل نکل گیا

خزان چند
بسمل حیرتی

خزاں چند بسمل حیرتی خلف چودھری گوبند سہائے بھاٹیہ ۱۰ نومبر ۱۹۱۱ء کو قصبہ رام نگر ضلع گوجرانوالہ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ آپ نے ایف۔ ایس۔ سی تک تعلیم حاصل کی۔ زمانہ طالب علمی ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ چودہ برس کی عمر میں جو پہلا شعر کہا۔ اس کے تیور ملاحظہ کیجیے:۔

بے کلی مجھکو شب و روز کی دینے والے
چین کی نیند تجھے کون سلا دیتا ہے

سنہ ۶۱/۱۹۶۰ء میں آپ کا مجموعہ کلام "شگوفے" شائع ہوا۔ جسے ادبی حلقوں میں مناسب پذیرائی حاصل ہوئی۔ دوسرا مجموعہ "دو شگوفے" زیر طبع تھا مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ۶ مارچ ۱۹۸۴ء کو جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ حضرت جوش ملسیانی کے حلقہ تلمذ میں شامل تھے۔ زندگی بھر آپ نے ادب کی خدمت کی۔ "خمخانہ ادب" نئی دہلی کے صدر "بزمِ ادب" شکور بستی کے سرپرست اور "کاروانِ جوش" کے محرک و سرگرم رکن رہے۔

ے وائے نباضِ سخن دنیا سے رخصت ہو گئے

نمونۂ کلام بسمل خیرتی (مرحوم)

غزل

غلط کیا ہم اسے باغباں کہہ رہے ہیں
خزاں ہی کو آخر خزاں کہہ رہے ہیں

سمجھئے تو کیا اُن کے دل کی سمجھئے
'نہیں' کہہ رہے ہیں نہ 'ہاں' کہہ رہے ہیں

حقیقت میں واضح حقیقت ہے دنیا
اِسے آپ خوابِ گراں کہہ رہے ہیں

جواں ہیں بڑھاپے میں بھی اپنے دم خم
جبھی لوگ مجھ کو جواں کہہ رہے ہیں

کہیں وقت ساکت نہ ہو جائے سُن کر
ہم احوالِ دردِ نہاں کہہ رہے ہیں

اکیلا ہوں میں زندگی کے سفر میں
مجھے لوگ کیوں کارواں کہہ رہے ہیں

بسمل ایک اُلجھا ہوا آدمی تھا
بجا ہی تو سب نوحہ خواں کہہ رہے ہیں

غزل

جلا رہا ہوں شبِ غم میں بھی خوشی کے چراغ
چراغِ اشک ہیں میری نظر میں گھی کے چراغ

ذرا سنبھل کے چلے صرصرِ فنا سے کہو
بڑے نصیب سے جلتے ہیں زندگی کے چراغ

یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ ماہِ پُر انوار
مرے خیال میں سب ہیں تری گلی کے چراغ

ترے نقوشِ قدم بس گئے ہیں آنکھوں میں
یہی ہیں میرے لیے راہِ زندگی کے چراغ

یہ کس نے دم کوئی پھونکا کہ ہو گئے سب گُل
جلائے تھے جو کسی نے شگفتگی کے چراغ

ابھی تو رات ہے باقی وہ شاید آ جائیں
نہ ٹمٹما ابھی اُے میری زندگی کے چراغ

عجیب ہے یہ نئی روشنی کا دور بسیم
بجھے بجھے سے ہیں افرادِ زندگی کے چراغ

رگھوناتھ سہائے اُمّید

رگھوناتھ سہائے امید کی پیدائش ۱۰ دسمبر ۱۹۱۴ء کو دھرٹو ضلع لدھیانہ میں پنڈت لچھمن داس کے یہاں ہوئی۔ ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد محکمۂ تعمیرات سے منسلک ہو گئے۔ آپ کی شاعری کی ابتدا ۱۹۶۸ء میں ہوئی۔ ۱۹۷۱ء کے "بیبنک سماچار" نئی دلّی میں پہلی غزل چھپی۔ آپ بسمل سعیدی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں۔ آپ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۷ء تک "حلقہ تشنگانِ ادب" کے جنرل سکریٹری رہے۔ اور "خمخانہ ادب" نئی دلّی کے ۱۹۷۷ء سے سکریٹری ہیں۔ آپ وزارت تعمیرات کے سیکشن آفیسر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ آپ کا کلام متعدد رسالوں میں چھپتا رہتا ہے اور ملک کے بڑے مشاعروں میں بھی شرکت کرتے رہتے ہیں۔ غزل کے علاوہ قصائد و سلام وغیرہ لکھنے میں شہرت رکھتے ہیں۔

مستقل پتا:۔ ۵۴۔ بی ایل۔ آئی۔ جی (آر پی۔ ایس) مایاپوری نئی دلّی

غزل

سُنتے ہیں مہربان بھی نامہربان بھی
کیا خوب داستاں ہے مری داستان بھی

پُرنور ایک بزمِ خیالات ہی نہیں
روشن ہے تیری یاد سے دل کا جہان بھی

فرعونیت کا دعوےٰ تھا جن کو جہان میں
باقی نہیں اب اُن کا جہاں میں نشان بھی

گنگ و جمن ہیں کوثر و تسنیم کی مثال
جنّت سے کم نہیں مرا ہندوستان بھی

حیرت یہ ہے وہ ڈھونڈ رہے ہیں ترا نشاں
جن کو ملا نہ آج تک اپنا نشان بھی

جائے اماں ملے تو ملے بھی کہاں مجھے
دشمن مری زمین بھی ہے آسمان بھی

برسا رہی ہے پھول بھی پتھر بھی اے امیدؔ
دنیا مری حریف بھی ہے مہربان بھی

غزل

شعلۂ برق کہیں رقصِ شرر دیکھا ہے
ہم نے اُس شوخ کا اندازِ نظر دیکھا ہے

کیا کہیں رونقِ ہستی کی حقیقت یارو
اِک حسیں خواب سا ہنگامِ سحر دیکھا ہے

یاد آئے رخ و رخسار کسی کے ہم کو
جب کبھی جلوۂ خورشید و قمر دیکھا ہے

تیرے جلووں ہی کا پرتو تھا جہاں میں ہر سُو
تو ہی آیا ہے نظر ہم نے جدھر دیکھا ہے

موسمِ گُل میں بھی اُمیدؔ چمن میں اکثر
ہم نے ہر شاخ کو بے برگ و ثمر دیکھا ہے

اوپندر ناتھ اشکؔ

اوپندر ناتھ اشکؔ خلف پنڈت مادھو رام۔ ولادت ۱۴ دسمبر ۱۹۱۱ء جالندھر شہر پنجاب۔ تعلیم بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ پانچویں جماعت میں شعر گوئی کا آغاز کیا۔ آریہ سماج پنسیا نخلی کے طرز پر بھجن لکھتے ہوتے ہوتے طبیعت غزل کہنے پر مائل ہوگئی۔ ابتدا میں شنا ؔ تخلص کرتے تھے۔ مولانا محمد علی آزر جالندھری سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا تو اشکؔ بن گئے۔ روزنامہ ملاپ لاہور میں پہلی تخلیق ایک مخمس ۱۱ مارچ ۱۹۲۶ء کے سنڈے ایڈیشن میں شائع ہوئی۔ اُستاد سے ناراض ہو کر نثر نگاری کے طرف راجع ہوئے اور ۱۹۲۸ء میں پہلا افسانہ اشاعت پذیر ہوا۔ جناب اشکؔ ابتدائی دور میں مشاعروں میں بھی شریک ہوا کرتے تھے لیکن انھوں نے اپنی شناخت بطور شاعر نہیں بلکہ بطور نثر نگار بنائی۔ نثر کی ۲۶ کتابیں شائع ہو کر ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔ افسانوں کا پہلا مجموعہ "نورتن" ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۸۶ء تک افسانوں پر مشتمل ۱۳، ڈراموں پر مشتمل ۱۱ اور ایک تذکرہ "منٹو میرا دشمن" چھپ چکی ہیں۔ دیوناگری رسم خط میں متعدد مطبوعہ تصانیف ان کے علاوہ ہیں۔ شعری مجموعہ کوئی نہیں چھپا۔ ہندی اور اردو کے صفِ اوّل کے ادیبوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ نیلابھ پرکاشن اور نیا ادارہ کے نام سے الٰہ آباد میں پبلشنگ ہاؤس کامیابی سے چلا رہے ہیں۔

اعزازات وانعامات

سوویٹ لینڈ نہرو پرائز ۱۹۷۲ء، مرکزی سنگیت ناٹک اکاڈمی ایوارڈ ۱۹۶۵ء، پنجاب

بھاشا وبھاگ کے اعزازات ۱۹۵۴ء ۱۹۶۰ء اور ۱۹۸۶ء۔ ہریانہ ساہتیہ اکاڈمی کا ایوارڈ ایک شال اور ۵۱۰۰ روپیہ کا کیسہ زر ۱۹۸۶ء، ۱۹۴۸ء میں یوپی سرکار نے ۵۰۰ روپیہ کا وظیفہ دیا۔

ادبی سرگرمیاں

۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۴ء تک آل انڈیا ریڈیو دہلی میں ہندی کے صلاح کار ۱۹۴۵ء، ۱۹۴۶ء میں بمبئی کی فلمی دنیا میں افسانہ نویسی، ۱۹۵۶ء میں کالی داس جینتی میں روس کا سفر ۱۹۷۰ء میں روس لندن، ہالینڈ، اور مغربی جرمنی کا سفر ۱۹۷۶ء میں ماریشس اور ۱۹۸۰ء میں پاکستان کے مختلف شہروں میں ادبی جلسوں میں شرکت کی۔ ۱۹۸۳ء میں اردو مرکز لندن کی دعوت پر لندن گئے۔ وہاں ایفرو ایشیائی سٹڈیز لندن یونیورسٹی کے ہال میں ان کے اعزاز میں تقریب منعقد ہوئی۔

مستقل پتا: ۵ خسرو باغ روڈ۔ الہ آباد۔ ۲۱۱۰۰۱

نمونۂ کلام　　　　　　　　　　اوپندر ناتھ اشکؔ

منتخب اشعار

اشکؔ ہوں قطرۂ ناچیز مگر یاد رہے
میں جو چاہوں تو قیامت ابھی برپا کر دوں　　۱۹۲۹ء

بس اسی بات پہ دعوائے تھا مسیحائی کا
دم تیرے سامنے نکلا تیرے شیدائی کا　　۱۹۳۰ء

سادگی ہے کہئے اسے یا ہوشیاری جانیے
اُن سے کہہ دیتے ہیں ہم جو کچھ ہمارے دل میں ہے　　۱۹۳۱ء

میرے قدموں کے نشاں اب بھی پریشاں ہیں یہاں
خاک چھانی ہے انھیں راہوں کی برسوں میں نے

اِن کی گرمی سے پسیجے نہ پسیجے وہ جگر
آگ تاپی ہے انھیں آہوں کی برسوں میں نے ۱۹۶۱ء

ترے جبر کی انتہا ہی نہیں
مرے صبر کی انتہا ہو گئی

نگاہیں ملیں اور شرما گئے
محبت کی لو ابتدا ہو گئی

ریاکاری اشک اپنا شیوہ نہیں
جو دل میں تھی لب پر سوا ہو گئی ۱۹۷۸ء

تخیّل نے ضرور کیا ہوگا کچھ کمال
تصویر سے جو بڑھ کے تیرا بانکپن نہیں ۱۹۸۳ء

گو رہے نانِ جویں کے لیے محتاج مگر
ہم درِ منعمِ کم ظرف کے سائل نہ بنے ۱۹۸۸ء

ہزار بار کرے گا بھنور ہمیں غرقاب
ہزار بار سمندر ہمیں اُچھالے گا

تم اشک رُوٹھ کے بیٹھے رہو زمانے سے
نہیں ہے کوئی جو آکر تمھیں منالے گا ۱۹۸۹

منوہر لال دؔل

منوہر لال دؔل ولد شری جودندامل آنند کی پیدائش جموں میں ۲۷ جنوری ۱۹۱۲ء کو ہوئی۔ بچپن سے آپ کو شاعری کا شوق تھا۔ طالب علمی کے زمانے سے آپ نے شعر کہنا شروع کر دیے تھے۔ حضرت اثر لکھنوی اور ڈاکٹر بشیر محمد خاں متینؔ شیرانی کے صحبت میں شوقِ سخن کو تقویت ملی۔ ۱۹۳۸ء میں آپ نے "بزم سخن" جموں کی بنیاد ڈالی جو بعد میں "بزم اردو" جموں کے نام سے سرگرم عمل رہی۔ ۱۹۴۵ء تک اس بزم کا مشاعرہ ہر سال باقاعدگی سے منعقد ہوتا رہا۔ ۱۹۵۲ء میں اسی بزمِ اردو جموں کے سالانہ مشاعرے میں قبلہ جوش ملیانی کا نیاز حاصل ہوا۔ اور آپ قبلہ موصوف کے حلقہ تلمذ میں شامل ہو گئے۔ اسٹیٹ بینک آف انڈیا جموں کے اعلا عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد مستقل طور پر جموں میں مقیم ہیں۔ ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصّہ لیتے رہتے ہیں۔ آپ نے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ آپ ایک کہنہ مشق، خوش فکر شاعر ہیں۔ آپ کا مجموعۂ کلام "نقدِ دل" ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا تھا۔

مستقل پتا:۔ ۱۳ ۔ محلہ جٹ کٹیاں ۔ پیر مٹھے ۔ جموں ۔ ۱۸۰۰۰۱

غزل

ہزار شُکر کہ برباد ہو گیا ہوں مَیں
تفکّرات سے آزاد ہو گیا ہوں مَیں

وہ مُسکرا کے کچھ ایسی نگاہ ڈال گئے
شگفتہ گُل کی طرح شاد ہو گیا ہوں مَیں

تمہارے کوچہ میں لٹ کر گماں یہ ہوتا ہے
کسی بہشت میں آباد ہو گیا ہوں مَیں

وہ میرے دامِ تصوّر میں آئے ہیں جب سے
سمجھ رہا ہوں کہ صیّاد ہو گیا ہوں مَیں

بہار آئے نہ آئے مجھے ہے کیا مطلب
تری نگاہ میں آباد ہو گیا ہوں میں

میں اپنا آپ سہارا ہوں اے دلِ ناداں
غلط کہ طالبِ امداد ہو گیا ہوں میں

غزل

کیا پوچھتے ہو جوشِ جوانی کدھر گیا
اٹھتا ہوا دھواں تھا فضا میں بکھر گیا

مانا کہ سر سے بارِ غلامی اُتر گیا
لیکن غلط کہ دورِ مصیبت گزُر گیا

یہ تو خطا ہے جذبۂ بے اختیار کی
خنجر کا کیا قصور جو دل میں اُتر گیا

جو ہر نفس خلوص و محبّت کا تھا پیام
وہ دن گزُر گئے وہ زمانہ گزُر گیا

دل کی لگی بجُھے گی نہ اے دلؔ کسی طرح
اشکوں کا سلسلہ بھی بہت بے اثر گیا

صغیر احمد
صغیر احسنی

صغیر احمد صغیر کی ولادت ۱۰ جون ۱۹۱۲ء کو قصبہ جلال آباد ضلع مظفر نگر میں جناب منشی نذیر احمد عثمانی کے یہاں ہوئی آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی بہت چھوٹی عمر میں آپ نے ختم قرآن مجید کے بعد پرائیوٹ طور پر اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ شاعری کا شوق بچپن ہی میں پیدا ہوا ۱۹۳۰ء میں مظفر نگر کی نمائش کے مشاعرے میں آپ نے حضرت احسن مارہروی کا کلام سنا تو بہت متاثر ہوئے اور اپنی ایک غزل قبلہ کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کی۔ مولانا نے درخواست قبول کی اور آپ قبلہ موصوف کے حلقہ تلمذ میں شامل ہو گئے۔ حمد و نعت اور منقبت کا مجموعہ " نوائے احسن" ۱۹۷۰ء میں الجمعیۃ بک ڈپو دہلی نے شائع کیا۔ "مکاتیب احسن" حصہ اول و دوم کے آپ مرتب ہیں۔ آپ اردو اکادمی (یوپی) سے دو بار ایک ایک ہزار روپیہ کا وظیفہ حاصل کر چکے ہیں۔ موصوف ماہنامہ " دستگیر" دہلی اور ہفت روزہ " طارق" بمبئی کے اعزازی مدیر بھی رہے۔ آپ ماہنامہ "احسن" رامپور کے اعزازی مدیر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ کا کلام رسائل و جرائد میں مستقل چھپتا رہتا ہے۔ آپ مشاعروں سیمناروں میں بھی شرکت کرتے ہیں اور داد سخن پاتے ہیں۔ دبستان داغ کے کہنہ مشق شاعروں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ عروضی و فنی مسائل پر متعدد مقالات و مضامین سپرد قلم کیے ہیں۔

پتہ: ۔ ۷۰ پیرزادگان۔ مظفر نگر (اترپردیش)

نمونۂ کلام

صغیر احمد صغیرؔ احسنی

غزل
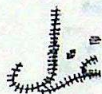
عشق کیا ہے؟ خود فراموشی، مسلسل اضطراب
حُسن کیا ہے؟ جلوہ آرائی بہ اندازِ حجاب

روح مضطر، دل پریشاں، چشم ہے محرومِ خواب
میں بہت مسرور ہوں اے عشق تو ہے کامیاب

جاں نثاروں پر تمہارے راز یہ افشا ہوا
موت لطفِ سرمدی ہے زیست یکسر اضطراب

چاک دامانی کا غم ہے اب نہ کچھ فکرِ رفو
کر چکے دیوانے تم سے زندگی کا انتساب

گُل فسردہ ہوں خس و خاشاک میں بالیدگی
باغباں! ایسا تو آیا تھا نہ پہلے انقلاب

دو جہاں میں صرف یہ ہے عشق کی دولت صغیرؔ
سینۂ پُر داغ، چشمِ تر، دل حسرت مآب

صغیر احمد صغیر احسنی

غزل

دے سکے گا نہ تمہیں پھر کوئی آواز کہیں
میری ہستی کا اگر ٹوٹ گیا ساز کہیں

عشق محکوم سہی بے کس و مجبور سہی
حُسن تنہا بھی ہُوا ہے اثر انداز کہیں

غمِ ناقدریِ دنیا تو نہیں ہے لیکن
نگہِ دوست نہ کر دے نظر انداز کہیں

خامیِ ذوقِ طلب نے ہمیں رکھّا محروم
یہ غلط ہے نہ سُنی ہو تری آواز کہیں

بحرِ ہستی میں جو اُبھرا تو اُبھارا تُو نے
میں ہوا آپ نہ اے دوست سرافراز کہیں

رنگِ ماحولِ چمن سے یہ ہویدا ہے صغیر
کام آئے گی مری جرأتِ پرواز کہیں

مُظفر حسین دولت

مظفر حسین دولت ولد جناب لطافت حسین کی پیدائش ۷ جولائی ۱۹۳۰ء کو گنج ڈونڈوارہ ضلع ایٹہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ محکمۂ دفاع حکومت ہند میں ملازمت کا آغاز ہوا۔ بعد میں آپ سنڈیکیٹ بینک سے منسلک ہوئے اور ان دنوں سنڈیکیٹ بینک نہرو پیلس میں ہی ملازمت کر رہے ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۹۵۷ء میں ہفتہ وار "چترا" دہلی میں پہلی تخلیق شائع ہوئی۔ آپ حضرت صغیر احسنی کے شاگردِ رشید ہیں آپ "جنک پوری جرنل" ویکلی (انگریزی) اور "سفارت" ویکلی کے اعزازی مدیر بھی رہے اور فیڈریشن آف انڈین سوشل ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری اور حلقہ تشنگانِ ادب نیز مسجد و مدرسہ منتظمہ کمیٹی جنک پوری کے فعال رکن ہیں اور دہلی کی مختلف ادبی تنظیموں سے منسلک رہے ہیں۔ آپ مشاعروں اور ادبی نشستوں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ رسائل و جرائد میں آپ کا کلام چھپتا رہتا ہے۔

مستقل پتا:- پی/۲۰- بی/۳ دلشاد گارڈن، نئی دلی ۱۱۰۰۳۲۔

نمونۂ کلام مظفر حسین دولت مارہروی

غزل

ڈر ہے نہ رنگ لائیں کہیں بے حجابیاں
پردہ حیا کا بیچ میں اک تان لیجئے

کھیلیں گی میری انگلیاں زلفوں سے آپ کی
اس کام میں ہوا کا نہ احسان لیجئے

میں دل لیے ہوئے ہوں، عدو دام ہاتھ میں
ہم میں ہے کون آپ کا پہچان لیجئے

مٹھی میں آپ کی رہے دولت تمام عمر
آپ اس سے دل لگائیں گے یہ ٹھان لیجئے

قطعہ

جو تم سے بات بات میں کل کہہ گیا تھا میں
اے دوست مشکلات کا حل کہہ گیا تھا میں
چھیڑا تھا تم نے گردشِ دوراں کا تذکرہ
بے ساختہ زباں سے "عمل" کہہ گیا تھا میں

ضیاؔ فتح آبادی (مرحوم)

مہر لال سونی المتخلص ضیاؔ کا آبائی وطن فتح آباد ضلع (امرتسر پنجاب) ہے۔ آپ کی ولادت ۸ر فروری ۱۹۱۳ء کو کپورتھلہ، پنجاب میں ہوئی جہاں ان کے والد لالہ منشی رام بطور سول انجینیر تعینات تھے۔ ابتدائی تعلیم خالصہ اسکول پشاور اور مہاراجہ اسکول جے پور میں ہوئی اور فارمن کرسچن کالج لاہور (پاکستان) سے ۱۹۳۵ء میں ایم۔ اے انگریزی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں ریزرو بینک آف انڈیا میں بطور کلرک ملازمت کا آغاز ہوا۔ دورانِ ملازمت کانپور، مدراس، اور بمبئی میں مختلف عہدوں پر مامور رہے اور ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے دھلی شاخ سے ڈپٹی چیف آفیسر کی پوسٹ سے ۱۹۷۱ء میں ریٹائر ہوئے۔

۱۹۲۵ء میں شعر گوئی کا آغاز ہوا۔ جناب اصغر علی حیاؔ جے پوری سے مشورہ سخن کرتے رہے۔ اس کے بعد جناب غلام قادر فرخؔ امرتسری سے اصلاح کام لی اور ۱۹۳۰ء میں علامہ سیمابؔ اکبر آبادی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ پہلی غزل ماہنامہ "چمن" امرتسر میں ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی۔ پہلا مجموعہ کلام "طلوع" ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔ دیگر تصانیف کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

نورِ مشرق ۱۹۳۷ء۔ ضیا کے سو شعر ۱۹۳۸ء۔ نئی صبح ۱۹۵۲ء۔ گرد راہ ۱۹۶۳ء۔ حسن غزل ۱۹۶۴ء۔ دھوپ اور چاندنی ۱۹۷۷ء۔ رنگ و نور ۱۹۸۰ء۔ سورج کا سفر ۱۹۸۲ء ان کے علاوہ چار نثری کتابیں، "سورج ڈوب گیا" (افسانے ۱۹۸۱ء) "زاویہ ہائے نگاہ" (تاثراتی مضامین ۱۹۸۳ء) ذکر سیماب ۱۹۸۴ء اور شعر و شاعری "(تالیف ۱۹۷۴ء) منظر عام پر آچکی ہیں۔

ضیاؔ صاحب کی شاعری، سوانح اور طویل ادبی خدمات کے بارے میں "ضیا فتح آبادی۔

شخص اور شاعر" کے نام سے ایک کتاب جناب مالک رام نے مرتب کر کے ۱۹۷۸ء میں شائع کی اور ۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر زرینہ ثانی کی کتاب "بوڑھا درخت، مطالعہ ضیا فتح آبادی" منصۂ شہود پر آئی۔ ادارہ بزمِ ادب کامٹی نے ۱۹۷۶ء میں "سراجِ سخن" اور پنجاب ایسوسی ایشن، مدراس نے ۱۹۸۰ء میں "سال کا ممتاز شاعر" کے خطاب سے آپ کو نوازا۔ ۲۷ فروری ۱۹۷۸ء کو دھلی میں "جشنِ ضیا" منایا گیا — اور ۸، نومبر ۱۹۸۱ء کو ادارۂ ادب، لندن کی جانب سے اعزازی تقریب منعقد کی گئی۔ آپ بزم سیماب، دہلی کے بانی اور صدر تھے۔ آپ نے ۱۹۸۱ء میں کُل ہند غیر مسلم اردو مصنفین کانفرنس لکھنؤ کے ڈیلی گیٹ سیشن کی صدارت بھی کی۔ "رنگ و نور" اور "زاویہ ہائے نگاہ" پر اردو اکادمی اتر پردیش نے انعام سے نوازا۔ سیر و سیاحت کے سلسلے میں لندن پیرس اور پاکستان کے سفر بھی آپ نے کیئے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد دہلی میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے تھے۔ اور راجدھانی کی ادبی و ثقافتی زندگی میں پیش پیش رہتے تھے۔ خرابی صحت کے باوجود تلامذہ کی اصلاحِ کلام، ترتیب و تالیف اور بزم آرائی میں مصروف و منہمک رہتے تھے۔ دمہ کا پرانا مرض تھا۔ اسی کے شدید حملے کی تاب نہ لا سکے اور ۹، اگست ۱۹۸۶ء کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ آپ کی وفات پر ساحر ہوشیارپوری نے قطعہ تاریخ کہا:۔

جو کر سکو نہ بیاں تم بہ صورتِ الفاظ — فسانۂ غم ہستی بہ چشم نم کہہ لو
زبان و فکر و تخیل جو ساتھ دے نہ سکیں — تو دِل کو ساتھ ملا کر غم ضیا سہہ لو

۳۴ — ۱۹۵۲
۱۹۸۶ء

(برہمانند جلیس)

تضمین بر اشعار آغا شاعر دہلوی

خبر لی آسماں نے پھر زمیں کی
رہی پروا نہ پھر دنیا و دیں کی
ہے سنگِ در کو پھر حاجت جبیں کی
"بڑھیں بے چینیاں جانِ حزیں کی
کہیں کس سے کہ پھر دُھن ہے وہیں کی"

امید و آرزو کا جشنِ سیمیں
غزل پرور فضائے داد و تحسیں
نشیمن، شاخِ گل، صیاد و گلچیں
"ہوا و سبزہ گُل ہائے رنگیں
یہ ساری شوخیاں ہیں اک حسیں کی"

خرابِ جستجو ہیں دفن اس میں
نثارِ آرزو ہیں دفن اس میں
شہیدِ عشق خُو ہیں دفن اس میں
"ہزاروں لالہ رُو ہیں دفن اس میں
بھری ہے گود پھولوں سے زمیں کی"

کوئی بنجر زمیں بوتا ہے شاعر
کوئی وقتِ سحر سوتا ہے شاعر
وقارِ غم کوئی کھوتا ہے شاعر
"کوئی یوں خون بھی روتا ہے شاعر
ذرا حالت تو دیکھو آستیں کی

منتخب اشعار

ہوا زنجیروں میں جکڑی گئی ہے
بہت آوارہ تھی پکڑی گئی ہے

در و دیوار پر بُنتی تھی جالے
خدا جانے کہاں مکڑی گئی ہے

وہ کنویں سے نکل کے دیکھیں تو
بہتے پانی پہ چل کے دیکھیں تو

کائنات و حیات پر ہیں محیط
بدلے تیور غزل کے دیکھیں تو

کوئی "ممتاز" منتظر ہے ضیا
اکبر آباد چل کے دیکھیں تو

حلقۂ دامِ عشق دل پر پھینک
سر اُٹھاتا ہوں کوئی پتھر پھینک

سطحِ دریا پہ مستقل ہلچل
تجھ سے کس نے کہا تھا کنکر پھینک

تجھے دو روز جینا ہے تو ضیاؔ
چھیل کر دل سے موت کا ڈر پھینک

ستیہ پال جانباز

ستیہ پال جانباز خلف شری چونی لال بانبہ ۱۵ اگست ۱۹۳۲ء کو چھراں ضلع شیخوپورہ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ شکور بستی، دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ایم اے اور بی۔ ایڈ کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد آپ محکمۂ تعلیم دہلی سے وابستہ ہوئے۔ ان دنوں گورنمنٹ بوائز سینیر سیکنڈری اسکول شکور پور، دہلی میں ٹیچر ہیں۔ شاعری کی ابتدا ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔ سنہ ۱۹۵۸ء میں دہلی سے نکلنے والے کثیر الاشاعت روزنامہ "پرتاپ" میں پہلی تخلیق شائع ہوئی۔ ابتدا میں آپ نے جناب آفتاب پانی پتی سے مشورہ سخن کیا اور ان کے انتقال کے بعد جناب ضیا فتح آبادی سے رجوع کیا۔ "تیغ عریاں" آپ کا پہلا مجموعہ کلام ہے آپ نے ایک کتاب "انوارِ آفتاب" بھی مرتب کی جو آفتاب پانی پتی کے حالات و نگارشات پر مشتمل ہے۔ آپ گذشتہ ۲۰ برس سے بزم ادب شکور بستی کے جنرل سکریٹری ہیں۔ حال ہی میں آپ کا دوسرا مجموعۂ کلام "حسنِ تصور" اشاعت پذیر ہوا ہے۔

مستقل پتا :- ۱/۳۴، رانی باغ۔ شکور بستی۔ دہلی ۱۱۰۰۳۴

جانباز پانی پتی

نمونۂ کلام

غزل

گاہے گاہے وہ چلے آتے ہیں دیوانے کے پاس
جیسے آتی ہیں بہاریں چل کے ویرانے کے پاس

رنج و غم ، افسردگی ، تنہائیاں ، مجبوریاں
تیرے غم میں کیا نہیں ہے تیرے دیوانے کے پاس

چھا نہ جائیں میرے دل پر ظلمتیں ماحول کی
شمع الفت کی جلا دو اس سیہ خانے کے پاس

میں تری محفل میں آیا ، کچھ نہیں میری خطا
لوگ آجاتے ہیں اکثر جانے پہچانے کے پاس

ہو گئے جانباز وہ میری خطا کے معترف
ذکر اب کرتے ہیں میرا اپنے بیگانے کے پاس

ساحر ہوشیارپوری

رام پرکاش ساحر ہوشیارپوری، تاریخ ولادت ۱۰ فروری ۱۹۱۳ء۔ آپ کے والد جناب ٹھکی رام اوہری کا شمار پنجاب کے رُؤسا میں ہوتا تھا۔ آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۳۳ء میں بی۔ اے آنرز فارسی اور ۱۹۳۵ء میں ایم۔ اے فارسی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ایک برس تک شہزادگان پٹیالہ کے اتالیق رہے اور ۱۹۳۷ء میں اپنے آبائی کاروبار سے منسلک ہو گئے۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک بزم گرامی ہوشیارپور کے سکریٹری اور ماہنامہ کیلاش کے مدیر رہے۔ ۱۹۵۰ء میں دہلی میں سکونت اختیار کی اور ۱۹۸۱ء میں فریدآباد میں منتقل ہو گئے۔

آپ نے سترہ برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا۔ لیکن اصل شہرت نظم "اصطخر" سے ملی جو ۱۹۳۴ء میں لاہور کے موقر ترین رسالے ادبی دنیا میں اشاعت پذیر ہوئی۔ ماہنامہ چندن کانپور (۱۹۴۹-۵۰ء) اور ماہنامہ ماہ نو دہلی (۱۹۶۷-۶۸ء) بھی آپ کی ادارت میں شائع ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں اولین جشن جمہوریت منعقدہ لال قلعہ دہلی کی انتظامیہ کمیٹی کے آپ سکریٹری منتخب ہوئے۔ گذشتہ چار دہائیوں میں آپ نے ملک کی متعدد ادبی تنظیموں میں ممتاز عہدوں پر فائز رہ کر اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ آپ جناب جوش ملسیانی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور آپ کا شمار اُن برگزیدہ شعرا میں ہوتا ہے، جن کو برصغیر ہند و پاک میں ہمہ گیر شہرت حاصل ہے۔

۱۵؍ اگست ۱۹۷۰ء کو دہلی میں جشن ساحر ہوشیارپوری کی تقریب منعقد ہوئی اور اس کے بعد ملک کے طول و عرض میں بے شمار اعزازی تقاریب منائی گئیں۔ مرکزی وزارت تعلیم کا ایوارڈ "سحر نغمہ" پر ۱۹۷۲ء میں ملا۔ آل انڈیا ہندی اردو سنگم لکھنؤ، ارم ایجوکیشن سوسائٹی لکھنؤ اور

راشٹر بھاشا ایکتا سنگھ، بسواں (یوپی) نے غزل ایوارڈ سے آپ کو نوازا۔ میرا اکاڈمی کا میرا ایوارڈ آپ نے حاصل کیا۔ اور "سحر حرف" (۱۹۸۲ء) پر یوپی اردو اکادمی نیز پنجاب بھاشا وبھاگ کے انعامات ملے۔ آل انڈیا ریڈیو کے جشن جمہوریت کے بین اللسانی مشاعرے میں آپ نے اردو کے نمائندہ شاعر کی حیثیت میں شرکت کی۔ یہ مشاعرہ جنوری ۱۹۸۷ء میں بھوپال میں منعقد ہوا تھا۔ ہریانہ اردو اکادمی کا اولین سیّد مظفر حسین برنی ایوارڈ ۱۹۸۵ء میں آپ کو پیش کیا گیا۔ اور ۱۹۸۷ء میں ساہتیہ منچ جالندھر نے "ممتاز الشعراء" کے خطاب سے نوازا۔ ساہتیہ کلا پریشد دہلی انتظامیہ کے اردو ادب ایوارڈ برائے ۱۹۸۲ء، انجمن عروج ادب دہلی کے ادبی ایوارڈ برائے ۱۹۸۸ء اور حافظ عبدالعزیز میموریل ایوارڈ برائے ۱۹۸۹ء کے لیے بھی آپ ہی کا انتخاب عمل میں آیا۔ سال ۱۹۸۹ء کے لیے آپ کو غالب ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ ۸ فروری ۱۹۹۲ء کو ادبی سنگم فرید آباد کی جانب سے جناب ساحر ہوشیارپوری کو ان کی ۸۰ ویں سالگرہ کے موقع پر "آفتابِ ادب" کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔

آپ کی تصانیف مہاویر مہا مستک (۱۹۳۹ء) سحرِ غزل ۱۹۵۹ء، سحرِ نغمہ ۱۹۷۰ء، جل ترنگ ۱۹۷۵ء (دیوناگری رسم الخط میں) اور سحر حرف ۱۹۸۲ء ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں مرکزی وزارت تعلیم کے ترقی اردو بورڈ کے لیے آپ نے "پنچ تنتر کی کہانیاں"، اور "بھکاری راجہ" کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ ۱۹۷۰ء میں ماہنامہ کتاب نما دہلی کا "یادگار جوش ملسیانی نمبر" اور ۱۹۸۸ء میں ہریانہ اردو اکادمی کے لیے "بساطِ فکر" (تذکرہ شعرائے ہریانہ) آپ نے مرتب کیے ۱۹۹۱ء میں آپ کا چھٹا مجموعہ کلام "سحرِ خیال" منظرِ عام پر آیا ہے۔

ساحر صاحب جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ آپ کا کلام کلاسیکل اور جدید آہنگ کے خوشگوار امتزاج کا آئینہ دار ہے۔

(دبرہمانند جلیس)

مستقل پتا: ۲۲۶۹۔ سیکٹر ۲۸، فرید آباد۔ ۱۲۱۰۰۳۔

نمونۂ کلام

ساحرؔ ہوشیار پوری

غزل

جتنا اپناؤ گے اتنی ہی سنور جائے گی
زندگی خواب نہیں ہے کہ بکھر جائے گی

گرد کی تہ ہیں ہی رہنے دو اِسے آسودہ
زندگی آئینہ دیکھے گی تو ڈر جائے گی

پھول سے ہونٹ، جواں جسم، غزالی آنکھیں
یہ سواری تو کسی چاند نگر جائے گی

آشیانے کو ذرا آگ لگا کر دیکھو
روشنی ہو گی تو ہر آنکھ ٹھہر جائے گی

تم غمِ دل کو تبسّم میں چھپا لو ورنہ
یہ شکن چہرے کی تا حدِّ نظر جائے گی

کس کو معلوم تھا یہ، سیرِ چمن کی خواہش
اپنے دامن میں لیے برق و شرر جائے گی

گوشۂ بزم ہو ساحرؔ کہ فرازِ مسند
ہم جہاں ہوں گے، وہیں ان کی نظر جائے گی

ساحر ہوشیارپوری

غزل

خندۂ لب سے غمِ دل کو نکھارا جائے
زیست کا قرض سلیقے سے اُتارا جائے

کسی چہرے پہ تبسّم، نہ کسی آنکھ میں اشک
اجنبی شہر میں اب کون دوبارا جائے

شام کو بادہ کشی، شب کو تری یاد کا جشن
مسئلہ یہ ہے کہ دن کیسے گزارا جائے

تو کبھی درد، کبھی شعلہ، کبھی شبنم ہے
تجھ کو کس نام سے اے زیست پکارا جائے

ڈس لیا ہے کسی ناگن نے تو اے جذبۂ شوق
اب یہ ضد کیوں ہے کہ یہ زہر اُتارا جائے

اُس مقدّر کے سنورنے کی دُعا کیا مانگیں
جو تری چشمِ کرم سے نہ سنوارا جائے

غمِ دوراں، غمِ جاناں، غمِ ہستی ساحرؔ
بوجھ کوئی بھی ہو سر سے نہ اتارا جائے

دھنپت رائے تھاپر

راز لائل پوری

دھنپت رائے تھاپر راز لائلپوری. ۱۴ جولائی ۱۹۲۰ء کو لائلپور (پاکستان) میں جناب جے. آر تھاپر کے یہاں تولد ہوئے. تقسیم ملک کے بعد دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی. ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد میٹرک اور ادیب کے امتحانات پاس کئے اور تجارت سے منسلک ہو گئے. ۱۹۳۵ء میں شاعری کی طرف رجحان پیدا ہوا. ۱۹۳۷ء میں پہلی تخلیق "ہمدرد اخبار" لائل پور میں چھپی. آپ نے جناب سرشار سیلانی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ان کی وفات کے بعد جناب ساحر ہوشیارپوری کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہو گئے.

۱۹۷۹ء میں آپ کی پہلی تصنیف "نورِ صداقت" (ہندی نظموں کا مجموعہ)، ۱۹۸۱ء میں "آئینہ راز" اور ۱۹۸۵ء میں "راز و نیاز" شائع ہوئی. جس پر یوپی اردو اکادمی نے مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام دیا. آپ "کاروان جوش نئی دہلی"، "خمخانہ ادب"، "حلقہ تشنگانِ ادب" "بزم منیر" "بزم ظہور ادب" "بزم ادب" شکور بستی کے فعال رکن ہیں. آپ کا کلام ملک کے بیشتر رسائل وجرائد میں چھپتا رہتا ہے. ٹی وی، ریڈیو اور مشاعروں میں بھی شرکت فرماتے ہیں. ۱۹۸۹ء میں تیسرا مجموعہ کلام "کائناتِ راز" شائع ہوا.

مستقل پتا: کیو ۱۸، ملکہ گنج. دھلی ۷

غزل

شورِ عطش جو پھولوں کی ہر انجمن میں ہے
کیفیتِ بہار کی شدّت چمن میں ہے

فیضِ نسیم سے ہیں کھِلے گُل رَوِش رَوِش
فردوس کی بہار ہمارے چمن میں ہے

وہ کیفیت کہاں ہے مئے نو کشید میں
جو لُطف جو مزا کہ شرابِ کہُن میں ہے

شہنازِ گُل، بتا دے ذرا اہلِ شوق کو
خُوشبُو یہ کس بدن کی تیرے پیرہن میں ہے

ساحر کے فیض و لطف سے کہہ لیتا ہے غزل
اب رآز کا شُمار بھی اہلِ سخن میں ہے

دھنپت رائے تنہا پر راز

غزل

تیرا کیا جاتا جو ملتا جامِ ریحانی مجھے
مے کے بدلے ساقیا تو نے دیا پانی مجھے

مے گساری میں وہ اب پہلی سی کیفیت نہیں
دے دیا ساقی نے کیا بے کیف سا پانی مجھے

اب کسی مشروب سے دِل چین پا سکتا نہیں
کاش وہ آ کر پلا دے تیغ کا پانی مجھے

وہ تپِ غم ہے کہ سوکھے ہیں لب و کام و دہن
کاش آ کر وہ پلائیں دید کا پانی مجھے

پی رہا ہوں شوق سے اے رازؔ جس کو آج تک
ایک دن آخر ڈبو دے گا وہی پانی مجھے

ڈاکٹر امرت لال عشرت

امرت لال عشرت خلف شری گوردھن لال مدھوک کی پیدائش ۲۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو لاہور (پاکستان) میں ہوئی۔ آپ نے تین مضامین میں ایم۔ اے کیا۔ (فارسی، اردو، تاریخ) اور فارسی میں پی۔ ایچ۔ ڈی اور ڈی لٹ (تہران) کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آپ کے والد کا شمار لاہور کے مشہور وکلا میں ہوتا تھا۔ شعر وسخن کا شوق آپ نے ورثہ میں پایا۔ تعلیم کے دوران آپ کو مولانا تاجور نجیب آبادی اور شوق فتح پوری کا فیض میسر رہا۔ ۱۹۵۳ء سے آپ جناب ساحر ہوشیار پوری کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں۔ آپ کی پہلی تخلیق ۱۹۴۵ء میں "بیسویں صدی" لاہور میں چھپی۔ اتر پردیش اردو اکادمی کے ممبر بھی رہ چکے ہیں اور شملہ، مالیر کوٹلہ، لکھنؤ، بنارس کی متعدد ادبی تنظیموں سے وابستہ رہے ہیں۔ آپ کی پہلی تصنیف "ایران صدیوں کے آئینے میں" ۱۹۶۷ء میں بنارس سے شائع ہوئی جس پر انعام حاصل کر چکے ہیں۔ ۱۹۶۸ء میں دو کتابیں "سلسلہ مصحفی کے سخنوران بنارس" اور "میرزا غالب" (مجموعہ مضامین) شائع ہوئیں۔ "ایران صدیوں کے آئینے میں" کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔

آپ کا کلام مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ ان دنوں آپ ہندو یونیورسٹی بنارس میں شعبہ فارسی کے صدر ہیں۔

مستقل پتا:۔ سن بیم ہاؤس۔ بھگوان پور بنارس۔ ۵

نمونۂ کلام ڈاکٹر امرت لال عشرت

غزل

اُداس دل ہے کہ ان کی نظر نہیں ہوتی
بغیر شمس کے تابِ قمر نہیں ہوتی

کچھ ایسے لوگ بھی دنیا میں ہم نے دیکھے ہیں
سما بھی جاتے ہیں دل میں خبر نہیں ہوتی

اُٹھو تو دست بہ ساغر چلو تو شیشہ بدوش
یہ میکدہ ہے یہاں یوں گزر نہیں ہوتی

کبھی کبھی مجھے اُن کا خیال آتا ہے
کبھی کبھی مجھے اپنی خبر نہیں ہوتی

شبِ حیات ہے ساغر میں ڈوب جا عشرتؔ
یہ ایسی رات ہے جس کی سحر نہیں ہوتی

ڈاکٹر امرت لال عشرت

غزل

قدم قدم پہ ہمیں رنگ و بو کا دھوکا ہے
خزاں نصیب رفیقو، یہ دور کیسا ہے

جو تو کہے اسے چھو کر ذرا یقیں کر لوں
تری جبیں پہ مجھے چاندنی کا دھوکا ہے

میری نگاہ نے بخشی ہے حُسن کو رونق
نسیم صبح سے پھولوں کا رنگ نکھرا ہے

بنائے شعر ہے میرا مشاہدہ عشرت
میرے کلام میں ہر دل کا درد ہوتا ہے

موہن لال شرما
موہن جاودانی

موہن لال شرما موہن جاودانی ولد شری بھگت رام شرما کی پیدائش ۱۲ جولائی ۱۹۳۹ء کو شیخوپورہ (پاکستان) میں ہوئی۔ آپ نے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۵ برس تک سرکاری ملازمت سے منسلک رہے آج کل آپ کی ایکسپورٹ امپورٹ کی تجارت وسیع پیمانہ پر چل رہی ہے۔ تجارت کے سلسلہ میں امریکہ، کنیڈا، جرمنی، انگلستان اور دیگر ممالک کا بھی سفر کر چکے ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں آپ کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ اور ۱۹۷۴ء میں آپ کی پہلی تخلیق "بیسویں صدی" دلّی میں شائع ہوئی۔ موصوف جناب ساحر ہوشیارپوری کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں۔ "انجمن عروج ادب" "کاروانِ جوش" "لائنز کلب کے سرگرم ممبر ہیں اور" نذرِ ساحر کمیٹی" اور انڈین کلچرل فورم دلّی کے آپ سکریٹری ہیں۔ دلّی کی تہذیبی اور ثقافتی زندگی میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ مشاعروں میں اکثر شرکت کرتے ہیں ترنم سے کلام پڑھتے ہیں اور عوام وخواص سے داد حاصل کرتے ہیں۔

مستقل پتا۔ جی۔ ۹۱ کالکاجی نئی دلّی ۱۱۰۰۱۹

نمونۂ کلام

موہن جاودانی

غزل

کون جانے کتنی باقی کس کے پیمانے میں ہے
جتنا جس کا ظرف ہے اُتنی ہی مے خانے میں ہے

یہ ترا احسان ہے جو تو نے اپنا غم دیا
غم میں ڈھل جانے کی عادت تیرے دیوانے میں ہے

کیا مری رُسوائیوں میں تیری رُسوائی نہیں
نام تیرا ابھی تو شامل میرے افسانے میں ہے

آنسوؤں میں جگمگاتی ہیں تری پرچھائیاں
کیا چراغاں کا یہ منظر دل کے ویرانے میں ہے

کہہ رہی ہے مجھ سے موہن چشمِ ساقی بار بار
مے کشی کا لُطف پی کر ہی سنبھل جانے میں ہے

موہن جاودانی

غزل

لاکھ جلوے ہیں نگاہوں میں نظاروں کی طرح
دِل کے گلشن میں وہ آئے ہیں بہاروں کی طرح

ہر گھڑی ایک نیا رنگ، نیا عالم ہے
زندگی ہے تری آنکھوں کے اشاروں کی طرح

زندگی پھر کسی طوفان سے اُلجھے گی ضرور
ہونٹ خاموش ہیں دریا کے کناروں کی طرح

کتنی پُر نور ہوئی جاتی ہے اب منزلِ شوق
نقشِ پا اُن کے چمکتے ہیں ستاروں کی طرح

شعلۂ عشق کا بُجھنا نہیں آساں موہن
اشک آنکھوں سے ڈھلکتے ہیں شراروں کی طرح

شیدا انبالوی

بنارسی داس شیدا انبالوی ۹۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو قصبہ ملانہ ضلع انبالہ ہریانہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام شری کیشو رام ہے۔
ایم۔ اے اور بی ٹی کے امتحانات پاس کر کے درس و تدریس کو ذریعہ معاش بنایا ۱۹۲۸ء میں آپ چھٹی جماعت کے طالب تھے کہ شعر گوئی کی طرف رغبت پیدا ہوئی۔ آپ کی سب سے پہلی تخلیق ۱۹۳۶ء میں کالج میگزین میں شائع ہوئی۔ ۱۹۳۹ء میں لاہور کے مشاعرے میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ آپ حضرت جوش ملسیانی کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۴ء تک بزم ادب چنڈی گڑھ کے نائب صدر اور ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۲ء تک "بزم سخن" حصار کے صدر رہے۔ ۱۹۸۴ء سے "ساہتیہ سنگم" انبالہ (ہریانہ) کے جنرل سکریٹری ہیں۔ چنڈی گڑھ اور حصار میں کئی بڑے مشاعرے منعقد کرا چکے ہیں۔ آپ اسٹینٹ ڈائریکٹر (کالجز) کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ کلام کے مجموعے "وقت کی آواز" ۱۹۷۳ء میں، "دل کی آواز" ۱۹۸۲ء میں، "دھڑکنیں" ۱۹۸۴ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ "دھڑکنیں" (قطعات) پر ہریانہ اردو اکادمی سے ان کو انعام ملا ہے "الجھنیں" مجموعہ رباعیات ۱۹۸۹ میں منظر عام پر آیا ہے۔ مستقل پتا۔ ۵۹۔ ماڈل ٹاؤن۔ انبالہ شہر (ہریانہ)

نمونۂ کلام — شیدا انبالوی

اپنے ذوقِ دید کو اب کارگر پاتا ہُوں مَیں
اُن کا جلوہ ہر طرف پیشِ نظر پاتا ہُوں میں

وہ بھی دِن تھے جب مرے دل کو تھی تیری جستجُو
یہ بھی دن ہے، دل کو اب تیرا ہی گھر پاتا ہُوں میں

ہر قدم ہے جُستجو کی راہ میں دُشوار تر
ہر قدم پر گمُ رہی کو راہ بر پاتا ہُوں میں

آ گیا ہے عشق میں کیسا یہ حیرت کا مقام
جس طرف جاتا ہُوں اُن کو جلوہ گر پاتا ہُوں میں

اب کہاں میری نظر میں دہر کی رنگینیاں ؟
اب تو اپنے آپ ہی کو خوُد نِگر پاتا ہُوں میں

موت سے ہوتی ہے شیدؔا ! زندگی کی پرورش
ہر نفس میں یہ حقیقت مُستتر پاتا ہُوں میں

رباعیات

ہمارا عقیدہ

ہم امن میں رکھتے ہیں یقینِ کامل
ہے امنِ جہاں گیر ہماری منزل
لیکن کوئی غاصب جو بڑھے سرحد پر
شیداؔ اُسے کردیں گے جہنّم واصل

للکار

آزادیٔ عالم کے پرستار ہیں، ہم
احرار جنھیں کہئے وہ احرار ہیں ہم
ناپاک لُٹیرو! یہ تمہیں یاد رہے
جاں باز ہیں۔ بے باک ہیں۔ جرّار ہیں ہم

یہ دَور!

اِس دَورِ بلندی میں بڑی پستی ہے
سرمستی ہے۔ بدمستی ہے۔ خرمستی ہے
روٹی تو بہت مہنگی ہے۔ یکسر مہنگی
مَے سستی۔ بہت سستی۔ بہت سستی ہے

رشی پٹیالوی

نام دیو رشی خلف شری رام چند مصرا کی پیدائش بستی کلاں ضلع ہوشیارپور پنجاب میں ۲۶ جنوری ۱۹۱۷ء کو ہوئی۔ بی۔ اے تک تعلیم حاصل کر کے آپ پٹیالہ میں ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ شاعری کا شوق پٹیالہ ہی کی ادبی فضا میں پیدا ہوا۔ اور آپ لٹریری لیگ کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں پہلی نظم ہفتہ وار "کرم ویر" لاہور میں شائع ہوئی۔ ابتدا میں آپ نے نسیم نورمحلی سے اصلاح لی اور بعد میں جوش ملسیانی صاحب کے حلقۂ تلامذ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۷ء تک آپ "بزم ادب" چنڈی گڑھ کے جنرل سکریٹری رہے۔ انجمن ترقی اردو ہند کی پنجاب شاخ کے اور پنجاب اردو اکادمی کے ممبر بھی رہے۔ آپ کی تصانیف ۱۹۶۶ء میں "جائزے" (نظمیں)، ۱۹۷۶ء میں "آتش نغمہ" ۱۹۷۲ء میں "ریگِ رواں" (غزلیات) اور "لہو پکارے گا آستیں کا" (نظمیں) ۱۹۷۶ء میں "پرتوِ جمہور" (نظمیں) ۱۹۷۸ء میں "ریاضِ نسیم" اور "پھول ان کی مسکانوں کے" ۱۹۷۹ء میں "روشنی کنی" ۱۹۸۰ء میں "بکھر گئی جو بات ان کی" (غزلیات) اور ۱۹۸۱ء میں "شفق رنگ آنسو" (غزلیات و نظمیات) کے نام سے منظر عام پر آچکی ہیں۔ "پرتوِ جمہور"، "ریگِ رواں" اور "بکھر گئی جو بات ان کی" پر یوپی اردو اکادمی اور انجمن عروج ادب دلّی سے انعام حاصل کر چکے ہیں۔ "پھول ان کی مسکانوں" کے اور "شفق رنگ آنسو" پر بہار اردو اکادمی اور یوپی اردو اکادمی کی طرف سے انعام سے نوازے گئے۔ "روشنی کنی" پر یوپی اردو اکادمی کی طرف سے انعام حاصل ہوا۔ ملک کے مختلف مشاعروں اور سیمینار وغیرہ میں شرکت کرتے رہتے ہیں اور کلام اخبارات و رسائل میں چھپتا رہتا ہے۔ جوش ملسیانی کے ارشد تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

مستقل پتا: معرفت مسز ویرانگنا بھاردواج نمبر ۲۱ بینڈاسٹینڈ بلڈنگ نمبر ۸۔
کین روڈ باندرہ بمبئی ۵۰۰۰۴۰۰

رشی پٹیالوی

نمونۂ کلام

غزل

سرِ راہ اِک حادثہ ہوگیا
اچانک ترا سامنا ہوگیا

خُود اپنی بھی اب یاد آتی نہیں
تری یاد کا حق ادا ہوگیا

مسیحائیاں دیکھتی رہ گئیں
ترا درد بڑھ کر دوا ہوگیا

کٹے گی کس اُمید پر زندگی
اگر تیرا غم بھی جُدا ہوگیا

قریب آگئیں خود بخود منزلیں
ترا نقشِ پا رہنما ہوگیا

اُنہیں دیکھ کر دیکھتی رہ گئیں
خُدا جانے آنکھوں کو کیا ہوگیا

رِشی زندگی، زندگی بن گئی
دل اپنا الم آشنا ہوگیا

رشی پٹیالوی

غزل

وہی طویل سی راہیں سفر وہی تنہا
بڑا ہجوم ہے پھر بھی ہے زندگی تنہا

ترے بغیر اُجالے بھی تیرہ ساماں ہیں
بھٹک رہی ہے نگاہوں کی روشنی تنہا

جہاں جہاں بھی گئی غم کے آس پاس رہی
کسی مقام پہ دیکھی نہیں خوشی تنہا

شعورِ دید کا انجام دیکھئے کیا ہو
ہجُومِ وہم و گُماں اور آگہی تنہا

خُود اپنے شہر میں بھی اب تو ہم کچھ ایسے ہیں
دیارِ غیر میں جیسے اِک اجنبی تنہا

کسی نے ساتھ نبا ہا بھی تو بچھڑنے کو
رہی ہے اپنے پرایوں میں زندگی تنہا

خُود اپنے آپ سے بیگانگی کا عالم ہے
شریکِ بزمِ نگاراں بھی ہیں رشی تنہا

خموشؔ سرحدی

جناب گوبند داس خموشؔ کی پیدائش ۲۳/ مارچ ۱۹۱۷ء کو صوبہ سرحد (پاکستان) میں ہوئی۔ خموشؔ صاحب نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور فرید آباد میں سکونت اختیار کی۔

آپ کو شاعری کا شوق دورانِ تعلیم پیدا ہوا۔ اور دورانِ ملازمت یہ شوق پروان چڑھا۔ آپ نظم، قطعہ، رباعی، غزل جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ خموشؔ صاحب کا شمار کہنہ مشق شعرا میں ہوتا تھا۔ موصوف قبلہ سیمابؔ اکبر آبادی کے شاگرد تھے۔ آپ کی پہلی تصنیف "نغمہ و فریاد" شائع ہوئی جو برطانوی سرکار نے ضبط کرلی۔ ہریانہ ساہتیہ اکادمی کے لیے آپ نے شعرائے ہریانہ کے کلام کا انتخاب "بزم" کے نام سے مرتب کیا تھا۔

خموشؔ صاحب خدائی خدمت گار تحریک کے سرگرم رکن تھے اور خدمت خلق کو اپنا آدرش مانتے تھے آپ برطانوی حکومت کی بربریت کا نشانہ رہے۔ برطانوی سرکار نے آپ کو باغی شاعر قرار دیا۔ مگر جب خدائی خدمت گاروں پر حکومت نے پابندی ختم کی تو آپ کو ادبی اور سیاسی خدمات کے اعتراف میں سینیر سٹی زن آف انڈیا" مجاہد آزادی") اور "فدائے سخن" کے اعزازات سے نوازا گیا۔ صوبہ سرحد کی تاریخ آزادی میں ان کی ادبی، سیاسی اور عوامی خدمات کا تفصیلی ذکر موجود ہے آپ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد تلامذہ کے کلام کی اصلاح میں مشغول و مصروف رہتے تھے ادبی سنگم فرید آباد کے سرپرست تھے۔ اور اس کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ آپ نے ۲/ جون ۱۹۸۸ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ ؎ شاعر شیریں نوا خاموش ہے

غزل

یہ بہار کی گھٹا ہے، یہ بہار کا زمانہ
کہ ہے رقص بجلیوں کا سرِ شاخِ آشیانہ

وہ جوانیوں کا نغمہ، وہ شباب کا ترانہ
مرے عشق کی کہانی ترے حسن کا فسانہ

ترے میکدے میں ساقی جسے زندگی ملی ہے
اسے دیر سے تعلق نہ حرم سے دوستانہ

ذرا اے خموش کوئی شبِ غم دراز کر دے
کہ ہے میکدے میں باقی ابھی تک مئے شبانہ

خموشؔ سرحدی

غزل

امتحاں آئے تو یوں حق کے پرستار گرے
جیسے آندھی میں کوئی ریت کی دیوار گرے

کتنے بدمست گرے، کتنے ہی سرشار گرے
جو بھی کم ظرف تھے ساقی ترے میخوار گرے

رفعتِ ذات سے گرنا ہے فقط جُرم دوام
کوئی خلوت میں گرے یا سر بازار گرے

کس طرح ملتے ہیں بچھڑے ہوئے احباب خموشؔ
اب ذرا خیر سے یہ بیچ کی دیوار گرے

ساحر سرحدی

جناب گھنشیام داس ساحر سرحدی کی پیدائش ۱۹۲۹ء میں صوبہ سرحد (پاکستان) میں ہوئی۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور فرید آباد میں سکونت پذیر ہوئے۔ ساحر صاحب، جناب خموش سرحدی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ شاعری کا شوق دورانِ تعلیم پیدا ہوا۔ ابتدا میں آپ نے منشی نرائن داس طالب پانی پتی سے اصلاح لی مگر ان کے انتقال کے بعد اپنے برادر گرامی خموش سرحدی کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ ساحر صاحب غزل، نظم، رباعی، قطعہ وغیرہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔

آپ اردو زبان کے فدائی اور پرستاروں میں سے ہیں اور مستقل مزاجی سے اس کے فروغ میں کوشاں رہتے ہیں۔

مستقل پتا:- 5D / 7A نیو ٹاؤن شپ فرید آباد۔

نمونۂ کلام　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　ساحر سرحدی

متفرق اشعار

حد سے جب بڑھ گئی ہیں پریشانیاں
کچھ سکوں مل گیا بادہ و جام سے

حُسن میں ہم نے دیکھا ہے نورِ خدا
ہے محبت ہمیں اب بھی اصنام سے

بے خطر بے قیاس سے گزُرے
موت کے آس پاس سے گزُرے

زخم اب تک ہرے ہیں ہجرت کے
رات دن کچھ اداس سے گزُرے

ہر طرف موت کے مناظر تھے
روز و شب بد حواس سے گزُرے

قطعہ

اشرفِ کائنات ہیں ہم لوگ
یعنی رازِ حیات ہیں ہم لوگ
نائبِ حق سہی مگر ساحر
مطلقاً بے ثبات ہیں ہم لوگ

واس دیو
ساہنی طالب

واس دیو ساہنی طالب ۱۴؍جون ۱۹۲۸ء کو ملتان (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ ۱۹۴۵ء میں ملتان سے میٹرک کیا بعد میں انجینیرنگ کی ڈگری حاصل کی اور صنعت کاری سے وابستہ ہو گئے۔ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان آ گئے۔ اسکول میں اردو کے استاد حضرت شعلہ کی صحبت میں اس ذوق کو چار چاند لگ گئے اور ملتان کی ادبی محفلوں میں شرکت کرنے لگے آج کل آپ حضرت خموش سرحدی کے دامن فیض سے وابستہ ہیں۔ آپ غالب، اقبال، سودا، میر، مومن سے متاثر ہیں۔ طالب صاحب عصری مسائل اور آج کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو موضوعِ سخن بنا کر سلیقے سے پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ آپ کی محبوب صنف سخن غزل ہے۔ اردو کے فروغ میں دامے درمے سخنے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں ۸۶-۸۵ء میں آپ لائینز کلب فریدآباد کے اور آج کل "ادبی سنگم" رجسٹرڈ فریدآباد کے صدر ہیں۔

مستقل پتا:- ۵۱۹/۱۵ فریدآباد ہریانہ۔

نمونۂ کلام　　　　　　　　　　　　　　　　واسدیو ساھنی طالب

غزل

صدا ناقوس کی مندر میں، مسجد میں اذاں بھی ہے
مگر آواز ہے وہ صرف میری ہی جہاں بھی ہے

کرم ہے بجلیوں کا آج کس پر دیکھنا ہو گا
کہ اِک سوکھی ہوئی ٹہنی پہ میرا آشیاں بھی ہے

بہت دن سے تمنّا تھی کہ اُن سے بات کی جائے
کہ دل میں مُدعا ہے اور مرے مُنہ میں زباں بھی ہے

کہو اے عقل والو اب یقیں کس پر کیا جائے
جفائے دوستاں بھی ہے وفائے دشمناں بھی ہے

حقیقت ہے کہ طالب گردشِ ایّام سے پہلے
نہ سوچا تھا کبھی ہم نے زمیں پر آسماں بھی ہے

اوم پرکاش لاغر

اوم پرکاش لاغر کی پیدائش ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جگراؤں (پنجاب) میں ہوئی۔ آپ نے مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد تجارت کو ترجیح دی۔ ۱۹۴۷ء میں آپ کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ اور ۱۹۵۰ء میں آپ کی پہلی تخلیق "ہند سماچار" جالندھر میں شائع ہوئی۔ ابتدائی کلام پر آپ نے اپنے اردو کے استاد حضرت خلیق پڈھانوی سے اصلاح لی مگر بعد میں حضرت خموش سرحدی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہو گئے۔

لاغر صاحب شعرگوئی کے علاوہ نثری مضامین بھی لکھتے ہیں۔ آپ کے افسانوں کا مجموعہ "محسوسات" اور شعری مجموعہ "احساسات" شائع ہو چکے ہیں۔ آپ "انجمن ترقی اردو" فریدآباد کے نائب صدر اور "بزم ادب" فریدآباد کے جنرل سکریٹری ہیں۔ لاغر صاحب فریدآباد کی ادبی اور ثقافتی زندگی میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ آج کل آپ فریدآباد میں بطور پراپرٹی ڈیلر کاروبار کر رہے ہیں۔

مستقل پتا:- 1/B71 بی، نہرو گراؤنڈ فریدآباد (ہریانہ)

نمونۂ کلام

اوم پرکاش لاغر

غزل

دیر و کعبہ کی عظمت مسلّم مگر
میکدہ بھی خدُا ہی کے گھر سا لگے

چاند تاروں کی جو دے رہا ہے خبر
دیکھنے میں تو وہ بے خبر سا لگے

گمُرہی میں بھی دیوانۂ دل فگار
منزلِ ہوش کا راہبر سا لگے

یہ جہاں رشکِ جنّت کسی کے لیے
اور کِسی کو یہی دردِ سر سا لگے

جھیل میں ادھ کھلے پھول پر چاندنی
ہم کو منظر یہ تیری نظر سا لگے

شمعِ بزمِ ادب تھا وہ کل تک مگر
آج لاغر چراغِ سحر سا لگے

اوم پرکاش لاغر

غزل

نہ کر پائے دشمن بھی جو دشمنی میں
کیا ہے رفیقوں نے وہ دوستی میں

بزرگوں سے پایا ہے یہ راز ہم نے
ہے جینے کی لذّت فقط سادگی میں

عبث ہے عبادت، عبث اُس کا تقوا
اگر آدمیت نہیں آدمی میں

فلک تک اگر تُو گیا بھی تو کیا ہے
بہت فاصلہ ہے ابھی آگہی میں

زمانے کو اب کوئی کیسے بتائے
بڑی تیرگی ہے نئی روشنی میں

بہادر مَرا ایک ہی بار لاغر
کئی بار بُزدل مَرا زندگی میں

ہربنس لال نسیمؔ کاشمیری (مرحوم)

ہربنس لال نسیمؔ کاشمیری کی پیدائش ۱۵ر فروری ۱۹۱۵ء کو راولپنڈی (پاکستان) میں پنڈت لیکھ راج کے یہاں ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ گریجویشن کرنے کے بعد آپ کی لائنز بینک سے بھی وابستگی رہی۔ آپ کو شاعری کا ذوق اوائل عمری سے تھا۔ آپ نے سبھی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ قبلہ جوشؔ ملسیانی کی خدمت میں آپ نے زانوئے ادب تہ کیا۔ "کاروان جوشؔ" اور "خمخانہ ادب" کے فعال رکن رہے۔ تقریباً پانچ دہائیوں تک آپ خدمتِ ادب انجام دیتے رہے اور ۲۷ر مئی ۱۹۸۵ء کو جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے اردو کے علاوہ فارسی میں بھی سخن آفرینی کی ہے۔

حیف سُونا ہو گیا باغِ سخن ۵

غزل

جاں سوز و دِل گداز مئے خوشگوارِ ما
شبنم سرشت، مستی و کیف و خمارِ ما

غم شُد چو ہم نوائے دلِ بیقرارِ ما
آساں گزشت روز و شبِ انتظارِ ما

دِل را کہ از غبارِ الم تنگ و تار بود
آسودہ کرد گریۂ بے اختیارِ ما

از اشکِ خوں صحیفۂ حسرت نوشتہ ایم
اِین است کارِ ما و ہمہ کاروبارِ ما

آں داغِ ضو فشاں کہ سکونِ جگر بود
پُر نور کردہ است شبِ روزگارِ ما

از فیضِ جوششِ محترم اُستادِ باکمال
گلزار شد نسیم ہمہ برگ و بارِ ما

غزل

امتزاجِ حق و باطل کا معمّا کیا ہے
نہ اندھیرا نہ اُجالا، یہ تماشا کیا ہے

اِک عزا خانہ ہے پہلے ہی بشر کی ہستی
کام اس خانۂ ویراں میں قضا کا کیا ہے

جو دلوں میں نہ کرے ذوقِ تقدس پیدا
وہ تبسّم وہ جمالِ رخِ زیبا کیا ہے

عُمر بھر جن کو غمِ عشق سے فرصت نہ ملی
اُن سے تم پوچھ رہے ہو غمِ دُنیا کیا ہے

مجھ سے پُوچھو یہ مری تشنہ لبی سے پوچھو
عظمتِ جام ہے کیا عشرتِ صہبا کیا ہے

تُو سُنے غور سے ذرّوں کا فسانہ جو نسیم
تجھ پہ کُھل جائے کہ خاموشیِ صحرا کیا ہے

قاضی شمس الحسن
کنولؔ ڈبائیوی
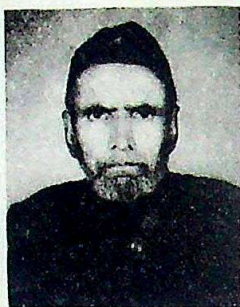
قاضی شمس الحسن کنولؔ کی پیدائش ۱۹۱۹ء میں قصبہ بہجوئی ضلع مرادآباد میں قاضی شریعت اللہ بختیار کے یہاں ہوئی۔ آپ نے ایم۔ اے تک تعلیم حاصل کی اور ملازمت سے منسلک ہوگئے اور آپ کا پہلا افسانہ "نرالی دنیا" لاہور (پاکستان) ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔ آپ نے مولانا ابر احسنی کی خدمت میں زانوئے ادب تہ کیا۔ آپ کی پہلی تصنیف "بساطِ زیست" ۱۹۷۰ء میں، ۱۹۷۵ء میں "سوزِ وطن" اور ۱۹۷۸ء میں "اردو زبان اور اس کا نام" شائع ہو چکی ہیں۔ "سوز وطن" پر اترپردیش اردو اکادمی نے اور "اردو زبان اور اس کا نام" پر بہار اردو اکادمی نے انعام دیا۔ ۱۹۸۰ء میں آپ بلند شہر سے نیشنل ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ گزشتہ دس برس سے اُردو کے غنائیہ ڈراموں (نوٹنکی) کے موضوع پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ اور مستقبل قریب میں اس دستاویزی کتاب کی اشاعت متوقع ہے۔

مستقل پتا:۔ بسم اللہ لاج چھوٹی مسجد جمال پور۔ ضلع علی گڑھ

نمونۂ کلام

کنول ڈبائیوی

غزل

اپنے گلشن میں خزاؤں کو دبائے رکھئے
پھر بہار آئے گی امید لگائے رکھئے

دوست تو دوست ہیں دشمن بھی نہ کھائیں ٹھوکر
راستے پیار کے ہموار بنائے رکھئے

جن میں پوشیدہ ہو نفرت کی مہک تھوڑی بھی
ایسے پھولوں کو گلستاں سے ہٹائے رکھئے

پھول مرجھائیں گے اور حُسن بھی کھو بیٹھیں گے
اپنے گلدان میں کانٹے بھی سجائے رکھئے

زندگی غم کے سمندر سے گزر جائے گی
اُن کی الفت کو کنول دل میں بسائے رکھئے

کنول ڈبائیوی

دو قطعے

تلخیاں زندگی کی زینت ہیں
ان سے تازہ حیات بنتی ہے
زندگی جب بھی غم اٹھاتی ہے
حاصلِ کائنات بنتی ہے

ہیں خزائیں چمن کی راہ نُما
اب بہاروں کی جستجو نہ کرو
اے گلستاں کے نیم وا غنچو
پھول بننے کی آرزو نہ کرو

سردار ارام
صابر ابوہری

سردار ارام صابر ابوہری کی پیدائش ۱۵ دسمبر ۱۹۱۹ء کو دھرم پورہ نزد ابوہر ضلع فیروزپور میں ہوئی۔ لاہور سے آپ نے منشی فاضل کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ بعد میں انگریزی میں ایم۔اے کیا اور ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔ آپ چیف سپرنٹنڈنٹ ٹیلیگراف کے ممتاز عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۵۷ء میں آپ کی پہلی غزل روزنامہ "ملاپ" جالندھر میں شائع ہوئی۔ صابر صاحب کا رشتۂ تلمذ جناب نسیم نورمحلی سے ہے قبلہ جوش ملسیانی سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہے۔ آپ کا پہلا شعری مجموعہ "نوائے جنوں" ۱۹۷۸ء میں شائع ہو کر مقبولِ خاص و عام ہوا جس پر بہار اردو اکادمی نے انعام سے نوازا۔ ۱۹۸۶ء میں دوسرا مجموعہ "نوائے شوق" شائع ہوا۔ آپ "انجمن ترقی اردو" ہند شاخ انبالہ "بزم ادب" موتی باغ نئی دلی' "ادبی مرکز" جے پور اور "بزم ادب" فریدآباد کے سکریٹری رہے ہیں۔ "انجمن ترقی اردو" ہند کی امرتسر شاخ کے صدر رہے ہیں اور پنجابی پردیش اردو ساہتیہ سنگم دلی کے نائب صدر بھی۔ صابر صاحب نے گیتا کے شلوکوں کے منظوم ترجمے کے علاوہ علامہ اقبال کی متعدد فارسی رباعیات و مفرد اشعار کو اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ آپ کا کلام آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہونے کے علاوہ مختلف اخبارات و رسائل میں چھپتا رہتا ہے اور آپ مشاعروں' سیمناروں میں بھی اکثر شرکت کرتے ہیں۔

مستقل پتا:۔ معرفت ایگرو کنگز جمنا نگر (ہریانہ)

غزل

راہ جو پُر خطر نہیں ہوتی
وہ مری رہگزر نہیں ہوتی

جس کو نسبت نہ ہو ترے غم سے
وہ خوشی معتبر نہیں ہوتی

حُسنِ فانی سے جو بہل جائے
وہ نظر دیدہ ور نہیں ہوتی

اُڑ کے گُل سے یہ کہہ گئی شبنم
زندگی معتبر نہیں ہوتی

عزم کامل اگر ہو اے صابر
احتیاجِ خضر نہیں ہوتی

صابر ابوھری

غزل

چل دیئے سوئے دار دیوانے
رہ گئے سوچتے ہی فرزانے

تیرا ملنا ہی کر دیا مشکل
دیر و کعبہ بنا کے دنیا نے

ماہ و انجم ہیں دُور کی باتیں
آدمی آدمی کو پہچانے

تیری ہستی کا راز کیا کھُلتا
اک حقیقت ہزار دیوانے

کس کے سینے میں درد ہے صابر
کون سُنتا ہے غم کے افسانے

کنور لال
کنول انبالوی

کنور لال کنولؔ انبالوی کی ولادت یکم اگست ۱۹۲۱ء کو آرہ ضلع شاہ آباد (بہار) میں ہوئی۔ جہاں آپ کے والد محترم شری رام پرتاپ محکمۂ انہار میں ایس۔ ڈی۔ او تھے۔ آپ کا آبائی وطن لساڑہ، ضلع جالندھر (پنجاب) ہے۔ آپ نے ایم۔ اے تک تعلیم حاصل کی اور ۱۹۵۰ء میں گاندھی میموریل نیشنل کالج انبالہ میں ملازمت کرلی۔ ۱۹۵۵ء میں این۔ سی۔ سی کی ٹریننگ مکمل کی اور آتمارام سناتن دھرم کالج دہلی میں انسٹرکٹر مقرر ہوئے۔ ۲۷ رمئی ۱۹۸۴ء کو آپ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ شاعری کا آغاز زمانہ طالب علمی ہی میں ہو گیا تھا۔ ابتدائی کلام پر جناب ظفر تاباں دہلوی سے اصلاح لی۔ ۱۹۶۴ء میں آپ حضرت جوشؔ ملسیانی کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۷۶ء میں آپ کا پہلا مجموعہ "برگ و بار" اور دوسرا مجموعہ "نکہت و نور" ۱۹۸۰ء میں شائع ہو کر پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ "برگ و بار" پر یو پی اردو اکادمی سے انعام ملا۔ آپ "کاروان جوشؔ" کے محرک اور سرگرم رکن، "خمخانہ ادب" نئی دہلی کے سکریٹری اور "بزم ادب دلی" کے صدر رہے ہے۔

۲۷ رمئی ۱۹۸۴ء کو مختصر علالت کے بعد دہلی میں انتقال ہوا۔

؎ شمعِ شعر و سخن ہوئی خاموش

کنول انبالوی

نمونۂ کلام

غزل

اپنی قسمت میں اگر عیش کے ساماں ہوتے
عین ممکن تھا کہ ہم اور پریشاں ہوتے

باغباں ناز نہ کر اپنے چمن زاروں پر
ہم نے دیکھے ہیں چمن زار بیاباں ہوتے

اپنے ہی گھر کی کسی شے پہ نہیں حق اپنا
اس سے بہتر تھا کہ ہم بے سروساماں ہوتے

طبع موزوں میں اگر زورِ بیاں بھی ہوتا
ہم بھی اوروں کی طرح شعلہ بداماں ہوتے

اے کنولؔ پائے طلب ہی میں تھی لغزش ورنہ
مرحلے جو بھی تھے اس راہ میں آساں ہوتے

کنولؔ انبالوی

غزل

جورِ بھی آپ کا الطاف نما ہے تو سہی
کُچھ نہ کچھ اِس میں توجّہ کی ادا ہے تو سہی

کیا عجب اور بھی ہو اُن کا کرم اِس کے سوا
میری بے تابیٔ دل اُن کی عطا ہے تو سہی

میرے جُرموں کی سزا اور ملے گی اب کیا
زندگی خُود ہی گُناہوں کی سزا ہے تو سہی

آپ کیوں سارے گلُستاں کو بُرا کہتے ہیں
چند پھُولوں میں ابھی بُوئے وفا ہے تو سہی

اَے کنولؔ اور ہو کیا طرزِ ستم کی تجدید
آئے دِن ایک نئی طرزِ ادا ہے تو سہی

مدن موہن موہن

مدن موہن نام، موہن تخلص ایچے پوری ۱۹۲۱ء میں موضع ایچے پور، ضلع ہوشیارپور میں پنڈت سنت رام کے یہاں تولّد ہوئے۔ گھر پر تعلیم حاصل کرنے کے بعد تجارت شروع کی۔ شعروشاعری کا ابتدا سے ہی شوق تھا۔ ۱۹۴۹ء میں آپ کی پہلی غزل " ہند سماچار" جالندھر میں چھپی۔ آپ ابوالفصاحت قبلہ جوشؔ ملسیانی کے دامنِ فیض سے وابستہ رہے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ نے اپنے قصبے میں "براہمن سبھا" قائم کی اور عرصہ دراز تک اس کے جنرل سکریٹری رہے۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۰ء تک مونسپل کمیٹی کے ممبر رہے۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۲ء تک کانگریس منڈل کے بھی سکریٹری رہے آپ کا کلام مختلف رسائل وجرائد میں چھپتا رہتا ہے۔

مستقل پتا :- پریم گلی، ایچے پورہ، ضلع ہوشیارپور

مدن موہن موہن

نمونۂ کلام

غزل

بے بس و مجبور بھی مانے گئے
اور ہم مجرم بھی گردانے گئے

ذکر اُن کا بھی وہاں آیا ضرور
جس جگہ بھی میرے افسانے گئے

ہم ہیں قائم، پھر گئے وہ بات سے
ہم بھی جانے وہ بھی پہچانے گئے

ہائے ان کی مست آنکھوں کا فسوں
مے سے ہم اور ہم سے میخانے گئے

چھوڑ موہن اُن کے افسانے نہ چھیڑ
ساتھ اُن کے اُن کے افسانے گئے

مدن موہن موہن

غزل

جب چراغوں کو سرِ شام جلاتا ہے جہاں
تیری فرقت میں مرے جی کو جلاتے ہیں چراغ

لفظ و معنی ہیں اور اس نورِ سراپا کا بیاں
شیخ بھی خوب ہیں سورج کو دکھاتے ہیں چراغ

شبِ فرقت کے اندھیروں کو مٹانے کے لیے
صبح تک ہم تری یادوں کے جلاتے ہیں چراغ

نوجوانوں کو جوانی میں نصیحت کیسی
لوگ کیا سادہ ہیں اندھوں کو دکھاتے ہیں چراغ

شیخ کی بھول ہے رندوں سے اُلجھنا موہنؔ
سامنے سانپوں کے چلنے کہیں پاتے ہیں چراغ

نیّر امرتسری

درگاداس نیّر کا تعلق امرتسر کے ایک معروف خاندان سے ہے۔ پنجاب کے بزرگ شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ آپ ۱۲ اپریل ۱۹۲۱ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ایم۔ اے۔ اور ادیب فاضل کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔ کئی برس ریاست گوالیار میں گورنمنٹ فارسٹ کنٹریکٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ گذشتہ ۲۸ برس سے سینٹ فرانسس اسکول امرتسر میں حساب کے ٹیچر ہیں۔

نیّر صاحب کو اردو ادب کا ذوق بچپن سے تھا۔ طالب علمی کے دوران اردو فارسی کے استاد جناب شائق صاحب کی صحبت ملی اور یہ شوق پروان چڑھا آپ کی پہلی نظم ایک جواں مرگ دوست کی موت پر مرثیہ تھا۔ مشق سخن جاری رہی۔ زبان و فن سے متعلق شائق صاحب سے مشورہ کر لیتے۔ نیّر صاحب کو جوش ملسیانی سے والہانہ عقیدت زمانہ طالب علمی سے تھی لیکن ان سے پہلی دفعہ شرفِ ملاقات ۱۹۴۳ء میں ہندو کالج امرتسر کے مشاعرے میں حاصل ہوا۔ اس موقع پر آپ نے اپنی دو نظمیں "پیغامِ عمل" اور "طوفانِ اشک" ان کی خدمت میں پیش کیں۔ جوش صاحب نے فرمایا کہ "طبیعت موزوں ہے اور شاعری سے فطری مناسبت معلوم ہوتی ہے"۔ جب سے نیّر صاحب جوش صاحب کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ اصلاح کا سلسلہ بذریعہ خط و کتابت چلتا رہا۔

نیّر صاحب جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ جوش صاحب کے ارشد تلامذہ میں موصوف کا شمار ہوتا ہے

پتہ۔ ۳۰۔ ای رانی باغ امرتسر۔ پنجاب

نمونۂ کلام　　　　　　　　　　　　نیّر امرتسری

غزل

دوست کیوں کہتے ہیں دردِ دل کا چارا کیجئے
دل سراپا درد بن جائے تو پھر کیا کیجئے

اُن سے اُن کے جورِ بے جا کا گلہ کیا کیجئے
کیجئے تو اپنے چشم و دل کا شکوا کیجئے

دشمنِ جاں کو جگہ دیتے ہیں چشم و دل میں ہم
اور کتنا عشق کا معیار اونچا کیجئے

ترکِ الفت کے بجائے کیجئے ترکِ طلب
یعنی اپنے عشق میں بھی حسن پیدا کیجئے

شیخ صاحب چھوڑیئے افسانۂ حور و قصور
عاقبت کی فکر کیا ہے فکرِ دُنیا کیجئے

نیر امرتسری

متفرق اشعار

شاید یہ میرے حسنِ نظر کا کمال ہے
تصویر دیکھتا ہوں خزاں میں بہار کی

عرضِ نیازِ عشق پہ مجھ سے خفا ہو کیوں
یہ تو خطا تھی جذبۂ بے اختیار کی

ہو چکا عشق میں جو ہونا تھا
اب روا نا روا سے کیا مطلب

دلِ بے مُدعا ملا ہے مجھے
اُن سے پھر التجا سے کیا مطلب

عزیز احمد خاں عزیزؔ وارثی

عزیز احمد خاں عزیزؔ وارثی ۲۱ ستمبر ۱۹۲۱ء کو قصبہ بچھرایوں ضلع مراد آباد میں چودھری نذیر احمد خاں کے یہاں پیدا ہوئے۔ ادیب اور ادیب ماہر۔ ہندی رتن کے امتحانات پاس کرنے کے بعد ہمدرد دواخانہ دہلی میں ملازمت شروع کر دی۔ سوشل ویلفیر آفیسر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اعلا کارکردگی کے اعتراف میں ریٹائرمنٹ کے بعد دوبارہ اسی ادارے سے منسلک ہو گئے۔ پہلی طرحی غزل امروہہ کے مشاعرے میں پڑھی اور ۱۹۳۷ء میں روزنامہ "جنگ" دہلی میں شائع ہوئی آپ کا حضرت نوح ناروی کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتا تھا۔ "انجمن ترقی اردو" دہلی، انجمن "تعمیر اردو" دہلی، انجمن "اتحاد وارثیہ" دہلی، اور "انجمن وارثیہ" کے فعال رکن تھے۔ آپ نے ۱۹۵۵ء سے ۱۹۸۲ء تک پندرہ روزہ "ندائے اتحاد" دہلی سے نکالا۔ ملک اور بیرون ملک مشاعروں میں شرکت کرتے رہے۔ "سفینہ و ساحل" "محراب"۔ جسارت"۔ اور "تصرف" مجموعہ کلام اہل ذوق سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ۱۹۷۸ء اور ۱۹۸۶ء میں دو جشن وسیع پیمانے پر دہلی میں منائے گئے۔ آپ نے ۲۹، جولائی ۱۹۸۹ء کی شب میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

مخلص دوست، ہمدرد انسان اور ہر دلعزیز سماجی کارکن تھے۔ ملک کے مشاہیر شعراء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

؎ جانشینِ نوح کبھی بزمِ جہاں سے اٹھ گئے

غزل

حرم سمجھیئے کبھی مرکزِ بُتاں کہیئے
دیارِ یار کو تسکینِ جاوداں کہیئے

جبینِ شوق جہاں بھی ادب سے جُھک جائے
اُسی کو مرشدِ برحقؔ کا آستاں کہیئے

رہے نہ کوئی بھی جس کے حضور تشنہ دہن
عنایتوں کا اُسے بحرِ بیکراں کہیئے

کسی حسیں کے تبسم کی ایک جُنبش کو
حیاتِ شوق کا سرمایۂ گراں کہیئے

عزیزؔ کعبے میں بُت خانے میں کلیسا میں
حکایتِ غمِ جاناں کہاں کہاں کہیئے

عزیز وارثی

غزل

تم کو دنیا میں اگر میرا بھرم رکھنا ہے
تو مرے حال پہ ہر وقت کرم رکھنا ہے

کوئی تنقید کرے یا کوئی تنقیص کرے
گوشۂ دل میں نہاں روئے صنم رکھنا ہے

میرے ارمانوں کی گتھی نہ سلجھ جائے کہیں
اپنی زلفوں میں ابھی آپ کو خم رکھنا ہے

دلِ بیتاب کی شوریدہ سری کی خاطر
اور بھی حسن کو مائل بہ ستم رکھنا ہے

میرا کیا ہے جو بہک جاتا ہوں پیتے پیتے
تم تو ساقی ہو تمہیں اپنا بھرم رکھنا ہے

سلطان نظامی

صاحب زادہ یامین احمد سلطان نظامی ولد صاحب زادہ یٰسین احمد خاں کی ولادت ۲۶ر جنوری ۱۹۲۳ء کو رامپور میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا اور ٹھیکیداری شروع کی۔ ۱۹۵۰ء میں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۹۵۰ء میں ہی آپ کی پہلی تخلیق روزنامہ "آغاز" رامپور میں شائع ہوئی۔ آپ کو "سلطانِ غزل" کا خطاب ملا۔ اور پنجود اکادمی دہلی نے ایک اعزازی کپ دیا۔ سلطان صاحب نے علامہ ابر احسنی گنوری کے روبرو زانوئے ادب تہ کیا۔ آپ "آل انڈیا بزمِ احسن" کے نائب صدر، "بزم گنگ و جمن" دہلی کے جنرل سکریٹری، "بزم نظام ادب" کے صدر، "مشترکہ ادب" دہلی کے صدر اور "بزم محبانِ اشتراکِ ادب" دہلی کے صدر رہیں۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے۔

لکھنا پڑھنا، ادبی اجتماعوں اور مشاعروں میں شرکت کرنا اور تلامذہ کے کلام پر اصلاح دینا آپ کے محبوب مشاغل ہیں۔

مستقل پتا:۔ ۴۸۷، بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶

غزل

جینے کی تمنا ہے نہ مرنے کی تمنّا
ہے آپ کے کوچے سے گزرنے کی تمنّا

تجدیدِ تعلق کی اب امید ہے، جیسے
ڈوبی ہوئی کشتی کے اُبھرنے کی تمنّا

بلیساختہ آجائیے پردے سے نکل کر
آئینے کو رہ جائے سنورنے کی تمنا

سورج کو سمندر میں ڈبو دیتی ہے ہر شام
آرام سے اِک رات گزرنے کی تمنا

جنّت سے نکلوائے گی سلطان تمہیں پھر
اُس شوخ کے شیشے میں اُترنے کی تمنّا

سلطان نظامی

غزل

جھجک رہا ہوں اسے آشکار کرتے ہوئے
جو کشمکش تھی ترا انتظار کرتے ہوئے

کٹیلی دھوپ کی شدّت کو بھی نظر میں رکھو
کسی درخت کو بے برگ و بار کرتے ہوئے

ہوا کے پاؤں بھی شل ہو کے رہ گئے اکثر
ترے نگر کی فصیلوں کو پار کرتے ہوئے

یہی ہوا کہ سمندر کو پی کے بیٹھ گئی
ہماری ناؤ سفر اختیار کرتے ہوئے

کہاں وہ ذات کہ جس کو سکون ملتا تھا
تمام راحتیں ہم پر نثار کرتے ہوئے

نسیم انور۔ اَنور علیگ

نسیم انور۔ آنور علیگ خلف بابو خاں صاحب کی ولادت یکم جنوری ۱۹۴۴ء کو علی گڑھ میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ میرٹھ سے بی۔ اے کیا اور پنجاب سے ہومیوپیتھک کی ڈگری گولڈ میڈل کے اعزاز کے ساتھ حاصل کی۔ ۱۹۵۸ء میں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ آپ کی اولین تخلیق "چھوٹے لال رام نرائن ہائیر سکنڈری اسکول" کی میگزین میں ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔ "پیام ادب" دہلی اور "محبان اشتراک ادب" دہلی کے نائب صدر رہیں اور "ایور گرین کلچرل سوسائیٹی" کے سکریٹری۔ آپ جناب سلطان نظامی کے حلقہ تلامذ میں شامل ہیں

آپ "عرض حال" دلّی کے جوائینٹ ایڈیٹر بھی ہیں۔

مستقل پتا:۔ بی/۲۲۶ ویلکم سیلم پور ۴۲ دہلی ۱۱۰۰۵۳

نسیم انور۔ انور علیگ

نمونۂ کلام

غزل

ہو گئے عشق میں پُر کیف نظارے پتھّر
چاند پتّھر نظر آتا ہے ستارے پتّھر

اَن گنت ٹھوکریں لہروں کی پڑی ہیں ان پر
پھر بھی خاموش ہیں دریا کے کنارے پتّھر

پہلے ہم خود ہی رکھا کرتے تھے دل پر اپنے
آپ نے رکھ دیئے اب دل پہ ہمارے پتّھر

چھُو لیا تم نے جنھیں کھُل گئی قسمت اُن کی
ہو گئے عرش کے تابندہ ستارے پتّھر

مل رہا ہے تمہیں انورؔ یہ محبّت کا صلہ
تم جسے پیار کرو وہ تمہیں مارے پتّھر

محمد رفیق گلزاری
راز سکندر آبادی

محمد رفیق گلزاری راز سکندر آبادی کی پیدائش ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء کو منائی ڈھانڈہ پہاڑ گنج دہلی میں عبدالوحید گلزاری کے یہاں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے دسویں جماعت (دہائی اسکول) کا امتحان پاس کیا اور ملازمت شروع کی۔ آپ کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۵۶ء میں ہوا پہلا شعر ملاحظہ ہو۔

"مطلب خزاں سے کچھ نہ غرض ہے بہار سے
سرشار ہوں شرابِ غمِ روزگار سے"

موصوف جناب سلطان نظامی رامپوری کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔ آپ کی پہلی غزل روزنامہ "پرتاپ" دہلی میں شائع ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں نوح اکادمی دلّی سے ادبی خدمات کے سلسلہ میں انعام دیا گیا۔ آپ "بزم نظام ادب" کے نائب صدر، "انجمن ارتقار اردو" دلّی کے صدر، "دلّی نو ویگ منچ" کے نائب صدر، "بزم شمع ادب" کے سکریٹری اور "تکمیل ادب" دلّی کے نائب صدر رہے۔ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۷۶ء تک آپ روزنامہ پرتاپ میں کسانوں اور مزدوروں پر مضامین لکھتے رہے۔ آل انڈیا ریڈیو سے بھی کلام نشر ہوتا رہتا ہے۔

مستقل پتا ۱۴۱ احاطہ کمبل پوش۔ بستی حضرت نظام الدین دہلی ۱۳

نمونۂ کلام راؔز سکندر آبادی

غزل

جب جب بھی ہم نے پرکھا ہے دیکھا ہے آئینہ
غمّاز سب کے چہروں کا نکلا ہے آئینہ

جس شخص کے عیوب گِناتا ہے آئینہ
اُس شخص کی نگاہ میں چُبھتا ہے آئینہ

رُت کوئی آئے کوئی بھی موسم ہو رُو بہ کار
ہر دَور میں حیات پہ ہنستا ہے آئینہ

منصف مزاج وقت نے لوگوں کے درمیاں
کیا سوچ کر بتایئے رکھّا ہے آئینہ

وہ طفلِ نوبہار بھی شیدا ہے اس کا راؔز
مشکل کے ساتھ جس سے سنبھلتا ہے آئینہ

محمد امیر خاں رونق امروہوی

محمد امیر خاں رونقؔ امروہوی خلف جناب ولی محمد خاں کی ولادت ۱۹۳۴ء میں امروہہ (یوپی) میں ہوئی۔ مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ تجارت سے وابستہ ہو گئے ۱۹۵۰ء میں شاعری کی ابتدا ہوئی اور ۱۹۵۱ء میں پہلی تخلیق "نئی دنیا" دلّی میں شائع ہوئی۔ صوفی عاجز دہلوی سے رشتۂ تلمذ تھا۔ مگر ان کی وفات کے بعد صوفی سلطان نظامی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہو گئے۔ آپ نوح اکادمی دلّی اور کُل ہند تعمیرِ ملّت کے نائب صدر ہیں۔

مستقل پتا:۔ مکان نمبر ۲۳۱۹ کٹرہ عالم بیگ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶

غزل

پردے میں جب سے جلوۂ جاناں نہیں رہا
گردوں پہ آفتاب درخشاں نہیں رہا

پہلی سی اب تو پھولوں میں بو باس ہی نہیں
پہلا سا آج رنگِ گلستاں نہیں رہا

قسمت سے مل گیا ہے ترا آستاں مجھے
کچھ مجھ کو خوفِ گردشِ دوراں نہیں رہا

رخصت ہوئے ہیں جب سے وہ بزمِ جمال سے
تسکینِ قلب کا کوئی ساماں نہیں رہا

بدلا کچھ ایسا رنگِ زمانہ کہ دہر میں
رونق کوئی بھی خرّم و شاداں نہیں رہا

محمد اسرائیل
شعلہ خورجوی

محمد اسرائیل شعلہ خلف حاجی محمد اسمٰعیل کی ولادت اگست ۱۹۲۷ء میں خورجہ ضلع بلند شہر میں ہوئی۔ مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ آج کل چاندنی چوک دہلی میں ایک کاروباری ادارے کے مالک ہیں۔ شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ ۱۹۶۱ء میں آپ نے حضرت سلطان نظامی رامپوری کی خدمت میں زانوئے ادب تہ کیا۔ دلّی کی ادبی سرگرمیوں میں حصّہ لیتے ہیں۔ آپ "نوح اکیڈمی" "بزم نظام ادب" اور "بیخود اکادمی" کے نائب صدر رہیں

مستقل پتا:۔ ۲۹۱۴ لال دروازہ ہمدرد مارگ۔ دہلی ۶ ۱۱۰۰۰

نمونۂ کلام محمد اسرائیل شعلہ خورجوی

غزل

کون یادوں کے دریچوں سے ہوا دیتا ہے
کون احساس کا آئینہ جلا دیتا ہے

کون ہے ترکِ تعلق کا یہ خالق آخر
کون آنگن میں یہ دیوار اٹھا دیتا ہے

کون جانے دلِ بیتاب یہ کس کو آخر
دشت و کہسار میں دن رات صدا دیتا ہے

کون ہے جس کو مری ذات سے ہے اتنا لگاؤ
کون یہ قید کی میعاد بڑھا دیتا ہے

کون اُکساتا ہے آ کر مجھے اکثر شعلہ
کون سوئے ہوئے جذبات جگا دیتا ہے

جے کشن اہلوالیہ
شیدا سلطانی

جے کشن اہلوالیہ شیدا سلطانی خلف لالہ اننت رام اہلوالیہ کی ولادت ۹ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم (اردو ہندی انگریزی) گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے تجارت شروع کر دی۔ شاعری کا شوق اوائل عمری سے تھا۔ ۱۹۶۳ء میں آپ نے اصلاح سخن کے لیے جناب سلطان نظامی سے رجوع کیا اور انھیں کے دامن فیض سے وابستہ ہیں۔ شیدا صاحب مزاجاً اور طبعاً تنہائی پسند ہیں۔

مستقل پتا :- این ۶۳ کیرتی نگر۔ نئی دلّی

غزل

جب کبھی جھوم کر گھٹا چھائی
بادہ خانے کی مجھ کو یاد آئی

کس کی پازیب کی صدا آئی
کس نے توڑا غرورِ تنہائی

بارہا دِل کے سوکھے زخموں کو
زندگی دے گئی ہے پُروائی

اِک طلب لے گئی تھی سوئے حرم
اِک طلب میکدے میں لے آئی

جس کو کہتے ہیں جے کشن شیدؔا
اُس کی آنکھوں کا ہے وہ شیدائی

محمد اسلام
سلمانی قمرؔ

محمد اسلام سلمانی قمرؔ ولد جناب محمد حنیف سلمانی کی ولادت ۲ر فروری ۱۹۵۹ء کو سہارنپور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مقامی اسکول میں حاصل کی۔ شاعری کا شوق اوائل عمری سے تھا ۱۹۷۸ء میں آپ کی اولین تخلیق ایک غزل تھی، جو روزنامہ "پرتاپ" دہلی میں شائع ہوئی۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

"الفت میں ان کی سرحدِ غم سے گذر گئے
ہم ہر خوشی نثارِ غمِ یار کر چلے"

یہی غزل "کمل چھایا" مراد آباد اور "انسان بنو" سہارنپور ویکلی میں بھی شائع ہوئی۔ "شعراءِ سہارنپور" میں آپ کا کلام شامل ہے۔ آپ نے قبلہ سلطان نظامی کی خدمت میں زانوئے ادب تہ کیا۔ آپ "آئینۂ ادب" سہارنپور کے نائب صدر، "شمع ادب" دہلی کے جنرل سکریٹری، "بزم نظام ادب" دہلی کے سکریٹری اور "انجمن ارتقاء اردو اتر پردیش" کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہیں۔ راجدھانی کی تہذیبی سرگرمیوں میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔

مستقل پتا:۔ ۵ شاستری مارکیٹ جنگپورہ بھوگل نئی دہلی ۱۱۰۰۱۴

نمونۂ کلام

محمد اسلام سلمانی قمرؔ

غزل

جنونِ عشق کی جو رہ گزر سے گزُرے گا
وہی بلندیٔ فکر و نظر سے گزُرے گا

سنوار دے گا مری زندگی کی راہوں کو
ترا خیال جو دل کے نگر سے گزُرے گا

کرے گا یاد زمانہ اسے قیامت تک
جو ہنس کے دار و رسن کی ڈگر سے گزُرے گا

کریں گے اہلِ نظر دل نثار قدموں پر
وہ مستِ ناز، دل آرا جدھر سے گزُرے گا

قمرؔ اُسی کو ملے گا مقامِ شعر و ادب
جو راہِ مسلکِ اہلِ ہنر سے گزُرے گا

سیّد ابوالقاسم
مخلص نظامی

سیّد ابوالقاسم مخلص نظامی کی ولادت ۳۰ جون ۱۹۳۰ء کو سیّد اکرام الحق ملک کے یہاں موضع ایکل ڈھوڑھا ضلع گیا (بہار) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے مولوی کی سند حاصل کی اور درس و تدریس کو ذریعہ معاش بنایا۔ شاعری کا شوق چھوٹی عمر سے ہی تھا۔ پہلی تخلیق ماہنامہ "عقیدت" دھلی میں ۱۹۶۷ء میں چھپی۔ آپ صوفی سلطان نظامی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں۔ "تحریک مسجد" دہلی کے نائب صدر اور "بزم نظام ادب" دہلی کے جنرل سکریٹری ہیں آج کل آپ تریلوک پوری دہلی میں مدرس ہیں۔

مستقل پتا:۔ ۱۰۴ بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

نمونۂ کلام مخلص نظامی

منتخب اشعار

اپنی شہ رگ کا تمہیں خون دیا ہے میں نے
غور سے دیکھو گلستاں کے نہالو مجھ کو

کل خدا جانے کسے وقت سمجھ لے اپنا
تختۂ مشقِ ستم آج بنا لو مجھ کو

جنوں راہبر تھا رہِ عاشقی میں
لیا غم کے پہلو میں دم ہنستے ہنستے

رفیقوں نے بخشے مجھے زخم لیکن
رکھا میں نے ان کا بھرم ہنستے ہنستے

کہوں کیسے مخلصؔ وہ مخلص نہیں ہے
مجھے جس نے بخشے الم ہنستے ہنستے

محمد ادریس
مطرب جارچوی

محمد ادریس مطرب جارچوی خلف محترم اللہ راضی کی ولادت ۶ مارچ ۱۹۳۱ء کو ہوئی۔ آپ نے مقامی اسکول سے مڈل پاس کیا۔ آج کل آپ ہری انکلیو سلطان پوری میں تجارت کر رہے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں روزنامہ "پرتاپ" دہلی میں آپ کی پہلی تخلیق شائع ہوئی۔ موصوف جناب سلطان نظامی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہیں۔ دلّی کی ادبی و ثقافتی سرگرمیوں میں برابر حصہ لیتے رہتے ہیں آپ "بزم گنگ وجمن" دہلی کے سکریٹری ہیں۔

مستقل پتا: ۲۱/۷۷/۸ نانگلوئی ۲ دلّی ۱۱۰۰۴۱

مطرب سلطانی جارچوی

نمونۂ کلام

غزل

فکر کی آنچ میں دن رات تپایا خود کو
پھر بھی افسوس ہے کندن نہ بنایا خود کو

وقت نے ایسے بدل ڈالے ہیں چہرے کے نقوش
آئینہ دیکھ کے پہچان نہ پایا خود کو

جب سہاروں نے سہارا نہ دیا تو میں نے
آسرا اپنی امیدوں کا بنایا خود کو

قطرۂ اشک بنے اپنی ہی آنکھوں سے گرے
اپنے مرکز سے ہٹے اور گنوایا خود کو

قتلِ تہذیب کیا فرض سمجھ کر مطرب
زہرِ شیریں تھا جو خوش ہو کے پلایا خود کو

روح الاسلام کفیلؔ گنوری

روح الاسلام کفیلؔ گنوری کی پیدائش ۱۹۲۴ء میں قصبہ گنور (بدایوں) میں مولانا حشمت اللہ عرف شمشاد علی مستؔ گنوری کے یہاں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے مڈل کا امتحان پاس کیا بعد میں ہومیوپیتھی کی سند حاصل کی۔ آج کل آپ رنجیت نگر میں پریکٹس کر رہے ہیں۔ شاعری آپ کو ورثہ میں ملی۔ والد محترم ایک معروف شاعر تھے ۱۹۴۵ء میں باقاعدہ شاعری کا آغاز ہوا۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے خود جناب رمزؔ آفاقی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہیں۔ بزم فروغ اردو نیو رنجیت نگر کے صدر ہیں۔ طبعاً عزلت پسند ہیں۔

مستقل پتا۔ ۱۶۔ ایکس۔ بی نیو رنجیت نگر۔ ڈی۔ ڈی۔ اے کالونی نئی دلی۔۱۱۰۰۰۸

نمونۂ کلام　　　　　کفیلؔ گنوری

غزل

یاد ہے آج تک ہمیں حسن کا التفات بھی
اس کی نگاہِ اوّلیں موت بھی تھی، حیات بھی

ہمّتِ اہلِ دل تو دیکھ، یہ تیری بزمِ ناز سے
اِک تیرے غم کے ساتھ ساتھ لائے غمِ حیات بھی

زیست ہمیں عزیز ہے درد و الم کے باوجود
کتنا کشش مآب ہے عالمِ بے ثبات بھی

اس کے سوا اب اور کیا عشق پہ تبصرہ کروں
حاصلِ دیں بھی ہے یہی حاصلِ کائنات بھی

جب بھی اٹھی نقابِ رُخ جلوؤں میں کھو گئی نظر
مستقل اِک حجاب ہیں ان کی تجلّیات بھی

کیوں نہ ملال ہم کریں ذکرِ وفائے عشق پہ
چھڑ گئی اس کے ساتھ ساتھ اُن کے ستم کی بات بھی

کس سے چھپا ہے دہر میں دامنِ عشق اے کفیلؔ
ایک طریقِ عشق ہے ترکِ تعلقات بھی

کفیل کنوری

غزل

ختم ہو نہیں سکتی ساحلوں کی مجبوری
ان کا تو مقدّر ہے فاصلوں کی مجبوری

میرِ قافلہ اکثر ان کو لوٹ لیتا ہے
تم سے کیا کہی جائے قافلوں کی مجبوری

باوجودِ ضبطِ غم راز یہ بتا دیں گے
مقتضائے فطرت ہے آنسوؤں کی مجبوری

آشکار ہونا ہے ان کو تو بہر صورت
ذوقِ خود نمائی ہے مہ وشوں کی مجبوری

فطرتوں سے ناواقف کیسے جان سکتے ہیں
پتھروں کی دنیا میں آئینوں کی مجبوری

غیر کو کفیلؔ احساس اس کا ہو نہیں سکتا
دوست ہی سمجھتے ہیں دوستوں کی مجبوری

شریف احمد شریف ولد جناب حسن احمد خاں کی ولادت ۱۹۴۴ء میں سہسوان (یو پی) میں ہوئی ۔ آپ نے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا اور ملازمت سے منسلک ہوگئے ۔ آج کل آپ گورنمنٹ پریس، منٹو روڈ نئی دلی میں ملازم ہیں ۔ شاعری کا ذوق آپ کو اوائل عمری سے تھا۔ ۱۹۸۰ء میں جناب کفیل گنوری کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوگئے ۔ دلی کی ادبی وثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں

مستقل پتا ۔ ۱/۷ ۔ والی نیو رنجیت نگر۔ ڈی۔ ڈی۔ اے کالونی نئی دلی ۔

نمونۂ کلام   شریف احمد شریفؔ

غزل

برقِ جمال دل پہ گراتے تو بات تھی
یوں حسنِ بے مثال دکھاتے تو بات تھی

تیز آندھیوں میں دیپ جلاتے تو بات تھی
تم یہ اگر کمال دکھاتے تو بات تھی

ہیں کتنے خستہ حال یہاں جھونپڑوں میں لوگ
کچھ ان کی آن بان بڑھاتے تو بات تھی

اپنوں سے تم کو پیار ہے جو بھی بجا! مگر
دشمن کو بھی گلے سے لگاتے تو بات تھی

چُپ سادھ لی ہے اہلِ جہاں نے یہاں شریفؔ
اُن کی گلی میں شور مچاتے تو بات تھی
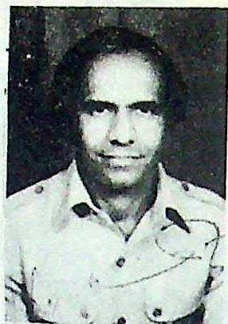
شوکت علی شوکت

شوکت علی شوکت خلف جناب شیخ احمد کی ولادت ۱۹۴۹ء میں بانکوٹ ضلع رتناگیری،
مہاراشٹر میں ہوئی۔ آپ نے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔ آج کل آپ بمبئی مرکنٹائل
کوآپریٹیو بنک لمیٹیڈ، دریا گنج میں سپروائزر ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں آپ نے باقاعدہ شاعری
شروع کی اور پہلی تخلیق ماہنامہ "گلفام" دہلی میں چھپی۔ آپ جناب کفیل گنوری سے مشورۂ
سخن کرتے ہیں۔ آپ نیو رنجیت نگر ویلفیئر سوسائٹی کے جنرل سکریٹری اور مسجد و
مدرسہ کمیٹی نیو رنجیت نگر کے سکریٹری ہیں۔ بزم فروغ اردو کے فعال رکن ہیں۔
مستقل پتا۔ ۳۴۔ ایکس۔ سی نیو رنجیت نگر ڈی۔ ڈی۔ اے کالونی نئی دلّی ۱۱۰۰۰۸

غزل

یہ سعئی فردزاں کا اثر دیکھ رہا ہوں
ہر گام پہ تابندہ سحر دیکھ رہا ہوں

کس درجہ عجب تر ہے تیرے حُسن کا عالَم
ہر جلوہ بہ اندازِ دِگر دیکھ رہا ہوں

گزرے ہیں اسی راہ سے خونخوار درندے
بکھری ہوئی لاشوں کا نگر دیکھ رہا ہوں

ہر شئے میں میرے ذوق نے رکھ دی ہے تجلّی
خود اپنا ہی میں حسنِ نظر دیکھ رہا ہوں

ہیں ساتھ مرے اُن کے خیالوں کی فصیلیں
شوکت میں بیاباں میں بھی گھر دیکھ رہا ہوں

۱۳۱

یوگیندر پال صابر (شوق)

یوگیندر پال صابر خلف چودھری شامل سنگھ کی پیدائش ۴ جولائی ۱۹۲۵ء کو موضع برئی تحصیل قائم گنج ضلع فرخ آباد (یو پی) میں ہوئی۔ آپ نے ایم۔ اے انگریزی میں کیا اور ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ آپ اے۔ کے پوسٹ گریجویٹ کالج شکوہ آباد سے لکچرر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ آپ کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۱ء میں ہوا۔ آپ کی سب سے پہلی تخلیق ۱۹۴۷ء میں "محرم" امامیہ مشن لکھنؤ میں شائع ہوئی۔ اصلاح سخن کے لئے آپ نے مولانا ابر احسنی سے رجوع کیا اور ان کے ہی دامنِ فیض سے وابستہ رہے۔ "غمِ معلّیٰ" اور احساس کی صلیب" آپ کے مجموعہ ہائے کلام منظرِ عام پر آکر عوام وخواص سے داد حاصل کر چکے ہیں۔ شکوہ آباد کی ادبی سرگرمیوں میں حصّہ لیتے رہتے ہیں اور متعدد مقامی تنظیموں سے وابستہ ہیں۔ آپ کا کلام مختلف رسائل وجرائد میں احترام سے شائع ہوتا ہے۔

مستقل پتا: محلہ کھترانہ۔ شکوہ آباد ضلع مین پوری (یو پی)

غزل

ترا خیال مصائب کے درمیاں آیا
بہت عزیز و دل افروز میہماں آیا

میں اپنا درد زمانے سے کس طرح کہتا
خیال عظمتِ انساں کا درمیاں آیا

کبھی صلیب کبھی دوش پر لیے کملی
اسی زمیں پہ کئی بار آسماں آیا

گیا تھا درسِ محبت جو دہر کو دینے
بلا و کرب سے لُٹ کر وہ کارواں آیا

سخنوروں کی کہاں انجمن کہاں صابر
دیارِ اہلِ زباں میں یہ بے زباں آیا

یوگیندر پال صابر

غزل

ہمیشہ ذکرِ محبت پہ چُپ رہا ہوں میں
تمہیں خبر ہے کہ کیا بات کہہ گیا ہوں میں

جلا چکی ہے محبت کی تیز آگ مجھے
ادب کرو مرا لوگو کہ دیوتا ہوں میں

وہ سادگی کا زمانہ تھا جس میں روتا تھا
سمجھ لیا ہے جو سب کو تو ہنس رہا ہوں میں

تمہارے حُسن کی تابندگی کا کیا کہنا
وہ چاندنی تھی مگر اس سے جل گیا ہوں میں

خود آگہی سے ڈرے کیوں نہ آدمی صابر
ہر ایک شخص سمجھتا ہے بے خطا ہوں میں

کالی داس گپتا رضاؔ

کالی داس گپتا رضاؔ کی پیدائش ۲۵ اگست ۱۹۲۵ء کو مکند پور ضلع جالندھر کے ایک مشہور اگروال خاندان میں ہوئی۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ادیب فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ زمانۂ طالب علمی کے دوران میں ہی آپ آبائی کاروبار سے منسلک ہو گئے تھے۔ بعد میں آپ نے میٹرک کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے اور سینیر کیمبرج کا امتحان لندن سے پاس کیا۔ آپ نے لندن سے اکاؤنٹس کے امتحانات بھی پاس کئے۔

نوعمری سے ہی شاعری کا شوق تھا۔ ۱۹۴۲ء میں آپ جناب کمالؔ کرتارپوری کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوئے بعد میں کمالؔ صاحب نے آپ کو قبلہ جوشؔ ملسیانی کی خدمت میں پیش کر دیا اور اب آپ کا قبلہ موصوف کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلے میں آپ افریقہ میں بھی چند سال مقیم رہے اور وہاں سے واپسی پر بمبئی میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے۔

آپ کا پہلا مجموعہ کلام ۱۹۶۸ء میں "شعلۂ خاموش" شائع ہوا۔ دیگر تصانیف ۱۹۷۰ میں "شورشِ پنہاں"، ۱۹۷۴ء میں "شاخ گل" ۱۹۷۵ء میں "اُجالے" (اسلامی نظمیں) اور "دی سائلینٹ فلیم" (انگریزی) ۱۹۷۶ء میں "مکتوباتِ جوشؔ ملسیانی" ۱۹۷۷ء میں ہندوستانی مشرقی افریقہ میں" (تاریخ) "منثوراتِ جوشؔ ملسیانی (مضامین) اور "دعائے صباح" (غالبیات) ۱۹۷۸ء میں "متعلقاتِ غالبؔ" (غالبیات) ۱۹۷۹ء میں "شعورِ غم" (اسلامی نظمیں) ۱۹۸۱ء میں "شعاعِ جاوید"

"سہو و سراغ" (مضامین) اور "کلیاتِ چکبست" اور "مقالاتِ چکبست"۔ اور ۱۹۸۲ء میں "غالبیات چند عنوانات" (غالبیات) شائع ہو کر پذیرائی حاصل کر چکی ہیں اور بیشتر تصانیف پر انعام مل چکے ہیں۔

رضا صاحب متعدد ادبی تنظیموں سے منسلک ہیں۔ اور کئی ادبی اداروں کے لائف ممبر بھی ہیں۔ آپ کے ذاتی کتب خانہ کا اس وقت ہندوستان کے چند بڑے کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔ جس میں تقریباً بارہ[۱۲] ہزار قدیم اور جدید کتابیں اور پانچ ہزار رسائل اور دنیا کا سب سے بڑا غالب کا ذخیرہ موجود ہے۔

آپ مشاعروں میں شرکت کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ غالب ایوارڈ (نثر) برائے ۱۹۸۸ء آپ کو دیا گیا ہے۔ "دیوان غالب کامل" مرتب کر کے آپ نے ۱۹۸۹ء میں شائع کیا ہے۔ آپ ممتاز شاعر بھی ہیں، محقق بھی اور ناقد بھی

"غالب درون خانہ" غالبیات میں رضا صاحب کی گیارھویں کتاب ہے۔ بہ قول ڈاکٹر گیان چند جین "رضا صاحب غالبیات میں ایک ایسے محقق کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ جو سوانح و کلام غالب اور عہدِ غالب کی تمام جزئیات پر ماہرانہ نظر رکھتے ہیں"۔

مستقل پتا:- "جل درشن" A ۴۳ چوتھا منزلہ۔ نیپین سی روڈ۔ بمبئی ۳۶

رباعیات

غم سے ملے راحت، یہ کہاں ممکن ہے
نالوں سے فقط جی کا زیاں ممکن ہے
کوشش کروں ہنس ہنس کے جیئے جانے کی
کوشش سے طرب ناک جہاں ممکن ہے

فولاد کا دل، عزمِ مصمم لے کر
میدان میں آ ہمّت ضیغم لے کر
مجبوریٔ آلام کے پھندے سے نکل
شہ زوری و تدبیر کا پرچم لے کر

ہوتی نہیں اپنوں سے عداوت اچھّی
ہوتی نہیں غیروں کی اطاعت اچھّی
سُن لے اے بندۂ غلامی سُن لے
تعمیلِ غلامی سے بغاوت اچھّی

کالی داس گپتا رضا

غزل

معنویت کا اثر ہے کہ گھٹا جھومے ہے
ایک بارش سی ورق پر ہے قلم گھومے ہے

ہائے وہ لمس کا احساس وہ قربت تیری
کوئی پنہاں سا اشارہ ہے جو لب چومے ہے

مست آنکھوں سے پرے بھی ہے کوئی بزمِ سرور
پسِ میخانہ بھی میخانہ ہے، دل جھومے ہے

کوئی شریان کٹے کوئی کلیجہ پھٹ جائے
یہ لہو کب سے میرا درد لیے گھومے ہے

دوستو لے لو میرے ہاتھ سے پُرکھوں کی کتاب
نیند آنکھوں میں ہے، جی ڈولے ہے، سر گھومے ہے

غزل

پاش پاش لاشے سے، خون خون آرے تک
درد ہی کا قصّہ ہے غم سے غم کے مارے تک

ہم نے تجھ کو چاہا ہے، ہم نے تجھ کو ڈھونڈا ہے
اس کشادہ دھرتی کے دوسرے کنارے تک

یہ جریدۂ ہستی، ہر زمانہ نکلے گا
ہر فسانہ پھیلے گا آخری شمارے تک

فہم و فکر کی دھرتی، آسماں نہیں بنتی
میں نے بو کے دیکھے ہیں اس میں چاند تارے تک

پنڈت کیلاش ناتھ میکش

پنڈت کیلاش ناتھ میکش کی پیدائش ۱۹۲۶ء میں سری نگر میں ہوئی آپ کشمیری پنڈت ہیں۔ بی۔ اے اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد ریڈیو اسٹیشن جموں میں ملازم ہوئے۔ اور بہ تدریج ترقی کرتے کرتے یہیں سے ریٹائر ہوئے۔ اردو ادب کی تحقیق و تدقیق کا شوق بچپن سے ہے۔ غور و خوض کا مادہ بھی قدرت نے خوب دیا ہے۔ ۱۹۴۵ء میں شعر گوئی کا آغاز ہوا۔ پہلا شعر ملاحظہ ہو۔

"خود نکل جاتی ہے کالے بادلوں کو چیر کر
چاند کی کشتی کا کوئی ناخدا ہونا نہیں"

دنیا کے دھندوں سے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ۱۹۵۲ء میں جموں کے مشاعرے میں قبلہ جوش ملسیانی کا کلام سنا۔ خود لکھتے ہیں کہ "کوثر میں ڈھلی ہوئی ٹکسالی زبان میں جب موصوف کی مضمون آفرینیاں دیکھیں تو اس قدر محو ہوا کہ اصلاح لینے ہی بنی اور پانچ سات بار اصلاح لینے ہی سے وہ مل گیا جو شاید برسوں کی ریاضت اور مشق سے میسّر نہ آتا"۔ روحانیت سے رغبت بہ درجہ اتم ہے طبعاً اور عملاً عزلت پسند ہیں۔

مستقل پتا:- محلّہ مست گڑھ۔ جموں توی۔

غزل

مجھ کو اُمڈی ہوئی برسات نہ جینے دے گی
بے پئے آج کی یہ رات نہ جینے دے گی

دُور رہ کر بھی جو زندہ ہے وہ عاشق کیسا
حشر تک آپ کی یہ بات نہ جینے دے گی

کوئی گُل پوش کوئی خاک بداماں یارب
یہ تیری شانِ مساوات نہ جینے دے گی

میکدے میں تو غمِ دل کا مداوا ہے مگر
رسمِ پابندئ اوقات نہ جینے دے گی

میں تو یہ صبر کی تلخی بھی گوارا کرلوں
حسرتِ شوقِ ملاقات نہ جینے دے گی

اپنی باری کا بھی اب صبر نہیں ہے میکشؔ
صحبتِ پیرِ خرابات نہ جینے دے گی

نمونۂ کلام — پنڈت کیلاش ناتھ میکش

غزل

نظر کے سامنے ہے جلوۂ جانانہ برسوں سے
مری رگ رگ میں ہے اک شورشِ مستانہ برسوں سے

عروسِ دہر نے اب تک ہزاروں روپ بدلے ہیں
مگر اپنا وہی ہے مشربِ رندانہ برسوں سے

زمیں بدلی زماں بدلے مگر اے پیرِ میخانہ
کھنک ساغر کی کہتی ہے وہی افسانہ برسوں سے

اُدھر پُر نور منظر ہے ترے جلووں کی تابش کا
اِدھر خاموش ہے اپنا چراغِ خانہ برسوں سے

بہاریں دیدنی ہیں، ہر طرف جشنِ چراغاں ہے
فقط ظلمت بداماں ہے مرا کاشانہ برسوں سے

یہاں ظلمت میں بھی تنویر کی ہے کارفرمائی
دلِ پُر داغ ہے اپنا تجلی خانہ برسوں سے

ہزاروں محتسب آئے مگر اے حضرتِ میکش
میرے سر میں وہی ہے شورشِ رندانہ برسوں سے

محمد الیاس
ملک تنویرؔ
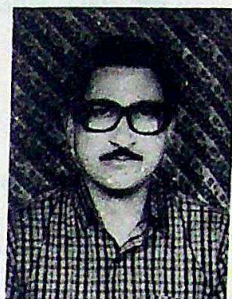
محمد الیاس ملک تنویرؔ ۲۹ر فروری ۱۹۴۰ء کو امرتسر میں جناب ملک غلام مصطفےٰ کے یہاں تولد ہوئے۔ ایم۔ اے۔ اور بی ایڈ کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد ملازمت کا آغاز ہوا۔ شعر گوئی سے بچپن سے ہی لگاؤ تھا۔ ۱۹۶۰ء میں "نوائے قوم" جموں میں آپ کی پہلی تخلیق شائع ہوئی۔ آپ نے جناب کیلاش ناتھ کول میکش کاشمیری کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ "اقبال بزم ادب" بھدرواہ کے صدر اور "بزم فروغ اردو" جموں کے فعال رکن ہیں۔ کئی بڑے مشاعرے بھی منعقد کرا چکے ہیں۔ ادبی انعام سے بھی نوازے گئے ہیں۔ آج کل آپ گورنمنٹ ہائر سکینڈری (بوائز) اسکول بھدرواہ جموں میں لکچرار ہیں۔

مستقل پتا:۔ دھرم پورہ۔ بھدرواہ۔ جموں ۱۸۲۲۲۲

نمونۂ کلام محمد الیاس ملک تنویرؔ

غزل

اے فلک ! دیکھ چمن لُٹتا ہے
میری اُمّیدوں کا بَن لُٹتا ہے

چَین لُٹتا ہے وفا کیشوں کا
کب کوئی ننگِ وطن لُٹتا ہے

کہیں بے گور و کفن ہیں لاشیں
کہیں لاشوں کا کفن لُٹتا ہے

رُوح تہذیب کی دبتی ہے کہیں
کہیں معصوم بدن لُٹتا ہے

جدّتِ فن کے حسیں پردے میں
کیا قیامت ہے کہ فن لُٹتا ہے

لب کُشائی کا صِلہ ہے تنویرؔ
خانۂ اہلِ سخن لُٹتا ہے

محمد یاسین
صادق دہلوی

محمد یاسین نام صادق تخلص ۱۲ر جون ۱۹۲۶ء کو دہلی میں حاجی امیر خاں کے یہاں تولد ہوئے۔ اسکول میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی چونکہ اوائل عمری ہی سے اہل علم کی صحبت اور تعلیم یافتہ بزرگوں کی قربت میں رہے۔ لہٰذا موصوف نے عربی فارسی اردو کی تعلیم علماء سے حاصل کی۔ دہلی کے مشاعروں میں بطور سامع شرکت کیا کرتے تھے جو شعر پسند آجاتا تھا اسے یاد کرلیا کرتے اور گنگناتے رہتے۔ رفتہ رفتہ یہ ذوق پروان چڑھا۔ ۱۹۵۰ء میں حضرت مخمور دہلوی کو ایک مشاعرے میں سننے کا اتفاق ہوا۔ ان کے کلام اور شخصیت سے بہت متاثر ہوئے اور ان کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوگئے۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب نے آپ کو بہت متاثر کیا موصوف کے والد تقسیم ملک کے بعد ہجرت کرکے کراچی میں آباد ہوگئے۔ ابھی اس صدمے کا اثر ختم نہیں ہوا تھا کہ استادِ محترم کی اچانک موت نے صدمہ میں اور اضافہ کیا۔

"مری نظروں میں صادق ہوگئی تاریک اب دنیا
جدھر بھی دیکھتا ہوں میں ادھر اک ہو کا عالم ہے"

کچھ عرصے کے بعد ایک صاحب نظر درویش الحاج صوفی شاہ محمد حسن قادری چشتی، ابوالعلائی جہانگیری کے آستانہ عالیہ کی جبیں سائی کا شرف نصیب ہوا اور اپنے اس شعر کے مطابق کرے

مذاقِ عاشقی اس طرح زندہ کر لیا میں نے
نظر ملتے ہی اُن سے دل کا سودا کر لیا میں نے

حضرتِ والا کے دستِ حق پر بیعت ہو کر آپ طریقت اور معرفت کی راہوں پر گام زن ہو گئے۔ آخر وہ وقت آیا کہ خلافت و اجازت کی خلعت سے سرفراز ہوئے مرشد کے تصوّف۔ نے طبیعت کے رنگ میں غیر معمولی تبدیلی پیدا کر دی اس لئے بیشتر "سماع" سے پرہیز کرتے تھے۔ آپ کے آٹھ مجموعہ ہائے کلام منظرِ عام پر آ چکے ہیں "حریم نور" "نغمہ روح"، "راہ صادق"، "نگار صادق"، "آج کی آواز"، "شمع محبت"، "فیضان" اور "خضرِ منزل"۔ آپ کا کلام چمنستانِ اخلاق و محبت کے سدا بہار پھولوں کا گلدستہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

جہاں سے بھی ہم اپنی داستاں چھیڑیں گے اے صادق
محبت ہی کے عنواں پر ہماری گفتگو ہو گی

آپ کی وفات ۲۲ جون ۱۹۸۷ء کو دہلی میں ہوئی۔

مریدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ راجدھانی اور قُرب و جوار کے ہزاروں مریدین، بلا لحاظِ مذہب و مِلّت، جنازے میں شامل تھے۔

ے رفتید و لے نہ از دلِ ما

نمونۂ کلام　　　　　　　　　　　　　　　حاجی صادق دہلوی

منقبت

شاہِ دیں

پوری تمہارے دل کی ہوئی آرزو حسینؑ
حق کی نظر میں ہو کے رہے سُرخ رو حسینؑ

جس تشنہ لب کو دیکھ لیا تم نے لطف سے
اس کو رہی نہ حسرتِ جام و سبو حسینؑ

جدّ و پدر ہیں جس کے نگہبان و باغباں
اس گلستاں کے واسطے ہیں رنگ و بو حسینؑ

آگاہ ہیں مشیّتِ حق سے جو شاہِ دیں
ہنس ہنس کے چومتے ہیں پسر کا گلو حسینؑ

حق پر ہماری جان تصدّق ہے، غم نہیں
کرتے ہیں فوج شمر سے یہ گفتگو حسینؑ

پیوست تیر گردنِ اصغر میں ہو گیا
پانی کی کر رہے تھے ابھی جستجو حسینؑ

بے چین ہیں کہ سجدۂ آخر ادا کریں
فرما رہے ہیں خون سے اپنے وضو حسینؑ

چھلکا ہے جن سے بادۂ عرفان و معرفت
ورثے میں ہیں تمہارے وہ جام و سبو حسینؑ

راہِ خدا میں یوں تو ہزاروں نے جان دی
رنگ اور کچھ ہی لایا تمہارا لہو حسینؑ

صادق کو سوزِ عشق عطا اور کیجئے
حسرت یہی ہے اس کی یہی آرزو حسینؑ

حاجی صادق دہلوی

غزل

مذاقِ عاشقی اس طرح زندہ کر لیا میں نے
نظر ملتے ہی اُن سے دل کا سودا کر لیا میں نے

یہاں تک خود کو پابندِ تمنّا کر لیا میں نے
کہ اپنی زندگی کو اِک تماشا کر لیا میں نے

حوادث نو بہ نو در پیش ہیں تو غم نہیں مجھ کو
محبّت ہی میں لُٹنے کا ارادہ کر لیا میں نے

کسی کے آسرے پر کس لیے اب زندگی گزرے
کہ سب کچھ چھوڑ کر تجھ پر بھروسا کر لیا میں نے

بہت تاریک تھا صادقؔ مرا غم خانۂ ہستی
جلا کر عشق میں دل کو، اُجالا کر لیا میں نے
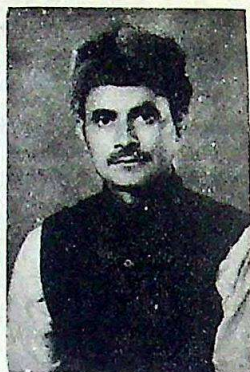
گیان چند منصورؔ

گیان چند منصورؔ ولد جناب امر چند قیسؔ جالندھری کی پیدائش ۱۹۲۶ء میں قصبہ بستی کلاں، ضلع ہوشیار پور میں ہوئی۔ آپ نے اردو فارسی کی تعلیم گھر پر حاصل کی اور ایف۔ اے کا امتحان پاس کرکے ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔ شاعری کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ پہلی تخلیق ۱۹۴۴ء میں ماہنامہ "کیلاش"، ہوشیار پور میں شائع ہوئی۔ آپ نے قبلہ نسیمؔ نور محلی کے سامنے زانوے ادب تہ کیا۔ آپ نے اسکول اور کالجوں کے شعری مقابلوں میں مختلف انعامات حاصل کئے۔ "بزم روشن" پانی پت (ہریانہ) کے آپ جنرل سکریٹری بھی رہے۔ آپ کا کلام بیسویں صدی، تعمیر ہریانہ، پاسبان اور دیگر رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

پنجاب نیشنل بنک چوڑا بازار، لدھیانہ میں اعلا عہدے پر فائز تھے۔ حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں۔

مستقل پتا:۔ منیجر۔ جی۔ ایس۔ ڈبلیو انجینرنگ کمپنی بھدوڑ ہاؤس لدھیانہ

نمونۂ کلام

گیان چند منصوؔر

غزل

تشنۂ تکمیل ہے وحشت کا افسانہ ابھی
واقفِ سُود و زیاں ہے تیرا دیوانہ ابھی

کیوں نہ ہو قُربان شمعِ حُسن کے جلووں پہ دل
اپنے جلووں سے ہے ناواقف یہ پروانہ ابھی

گُل چراغِ دیر ہے۔ خاموش ہے شمعِ حرم
ساقیا! روشن ہے تیرے دم سے مے خانہ ابھی

یا تجلّی طُور کی۔ ہے خُود حجاب اندر حجاب
یا نہیں ذوقِ نظر اپنا کلیمانہ ابھی

دُور ہے منزل مری، اِک جام، اے پیرِ مغاں
راہ میں آئیں گے کعبہ اور بُت خانہ ابھی

داستاں منصوؔر کی بے کیف ہو سکتی نہیں
مُدّتوں دُہرائے گی دنیا یہ افسانہ ابھی

گیان چند منصور

غزل

اے غمِ ہجر! رات کتنی ہے
اور تیری حیات کتنی ہے

سانس پر ہے مدار ہستی کا
کائناتِ حیات کتنی ہے

اوس کے موتیوں سے یہ پوچھو
آبروئے حیات کتنی ہے

پوچھتا ہوں کسی سے اپنا پتا
بے خبر میری ذات کتنی ہے

کیوں حرم ہی کے ہو رہے واعظ
وسعتِ کائنات کتنی ہے

دیدۂ برہمن سے دیکھ اے شیخ
عظمتِ سومنات کتنی ہے

جولیئس نحیف دہلوی

جولیئس نحیف دہلوی خلف جناب یونس اللہ بخش ساکن جھکولی ضلع میرٹھ

تاریخ ولادت ۱۷ ستمبر ۱۹۲۷ء۔

انٹرنس پاس کرنے کے بعد آپ ملازمت سے منسلک ہوگئے شعر و شاعری سے شروع سے شوق تھا مگر باقاعدہ آغاز ۱۹۴۶ء میں ہوا۔ استفادۂ سخن کے لئے آپ نے قبلہ موج زیبائی نوحی کے روبرو زانوئے ادب تہ کیا۔ آپ کا مجموعہ کلام "آوازِ دل" شائع ہوا جس پر اردو اکادمی دلّی نے ۱۰۰۰/ روپیہ کے انعام سے نوازا۔ اس مجموعے کو عوام و خواص میں کافی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں آپ کا کلام چھپتا رہتا ہے۔ ایچ۔ آئی۔ ایل کے عہدے سے آپ ریٹائر ہوئے۔

مستقل پتا:۔ ۱۴۳ گلی نمبر ۲ رامیشور نگر آزاد پور دہلی ۳۳

خداوند یسوع مسیح

جادۂ منزلِ حق کے لیے رہبر تم ہو
رہنماؤں میں سے ہر ایک سے بڑھ کر تم ہو

مئے عرفاں یہ جو بانٹی ہے مسیحا تم نے
مئے عرفاں کے چھلکتے ہوئے ساغر تم ہو

جان بھی دے دی محبّت میں زمانے کے لیے
سچ تو یہ ہے کہ محبّت کے پیمبر تم ہو

مر بھی سکتا ہوں مسیحا میں تمہاری خاطر
مُکتی داتا ہو مرے، میرا مقدّر تم ہو

جس طرف دیکھا تمہاری ہی بہاریں دیکھیں
اس زمانے کے لیے حاصلِ منظر تم ہو

ہے تمہارے ہی سہارے سے خطاکار نحیفؔ
کیوں اسے خوف ہو جب داورِ محشر تم ہو

سیّد ابوالفرح
ذوالنون محمد جاہ فرحتؔ قادری

سیدابوالفرح ذوالنون محمدجاہ فرحتؔ قادری خلف حکیم سیدابوالظفر قادریؒ کی ولادت ۶ جنوری ۱۹۲۸ء کو ادگانوان ضلع پٹنہ (بہار) میں ہوئی۔ آپ نے آئی۔ کام تک تعلیم حاصل کی۔ ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۱ء میں ہوا۔ ۱۹۵۰ء میں گیا کالج میگزین میں پہلی غزل شائع ہوئی۔ فرحت صاحب جناب ابراحسنی گنوری کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہیں۔ ان دنوں آپ "گیا سیول کورٹ" میں سررشتہ دار ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں آپ کی قومی نظموں کا مجموعہ "زمین ہند" ۱۹۷۵ء میں کائنات غم" (غزلیں ونظمیں) ۱۹۸۲ء میں عروض و بلاغت سے متعلق مضامین کا مجموعہ "ضروریات شعروادب" اور ۱۹۸۳ء میں غزلوں اور آزاد نظموں کا مجموعہ "شیشے اور پتھر" شائع ہوچکے ہیں۔ آپ ۱۹۷۲ء میں مرکزِ ادب" گیا کے جنرل سکریٹری رہے ۱۹۷۹ء میں ماہنامہ "مفاہیم" گیا کے نائب مدیر اور ۱۹۸۴ء میں "بزم فلم کار" گیا کے نائب صدر رہے۔ "زمینِ ہند" شیشے اور پتھر" اور کائناتِ غم" پر انعام حاصل کرچکے ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں آپ نے ایک ادبی مجلہ "مرکز" بھی جاری کیا۔ ۱۹۸۸ء میں مجموعہ کلام "رقص وعکس" شائع ہوا۔ ملک کے معروف اساتذہ سخن میں آپ کا شمار ہوتا ہے اور تلامذہ کی کثیر تعداد آپ کے دامن فیض سے استفادہ کرتی ہے۔

مستقل پتا:۔ محلہ معروف گنج۔ گیا (بہار)

نمونۂ کلام   فرحت قادری

غزل
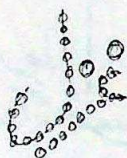
تھوڑی سی بچ رہی ہے یہ شب، بولتے رہو
پوچھو نہ بولنے کا سبب، بولتے رہو

خاموشیوں سے ہو گا سفر اور بھی گراں
اے رہروانِ دشتِ طلب بولتے رہو

کوئی عذابِ تیرہ شبی سے کہاں بچا
چُپ رہ کے آزما چکے، اب بولتے رہو

چڑھ جائیں گے زبانوں پہ بھی نیند کے غلاف
بچنا ہے اس ستم سے تو سب بولتے رہو

ہنگاموں سے نجات بھی فرحت اسی میں ہے
جب ہر طرف ہو شور و شغب بولتے رہو

فرحت قادری
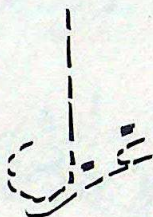
نہ اختیار کی کلیاں نہ اعتبار کے پھول
وہ دے گیا ہے مجھے صرف انتظار کے پھول

ہوائے زرد اُڑا لے گئی سبھی موسم
خزاں کی دھول نہ دامن میں ہیں بہار کے پھول

شکست و ریخت سے بھرپور زندگی کے لیے
لطیف طنز ہیں ٹوٹے ہوئے مزار کے پھول

مرے دیار کی نیرنگیوں کا کیا کہنا
شرر ہیں، آگ ہیں، شعلے ہیں اس دیار کے پھول

نہ ختم ہوتی ہے خوشبو نہ رنگ اُڑتا ہے
سدا بہار ہیں فرحتؔ فرازِ دار کے پھول

انور خاں ۔ انورؔ مینائی

انور خاں انورؔ منیائی کی پیدائش ۱۲ر نومبر ۱۹۴۸ء مالور قصبہ ضلع کولار، کرناٹک میں جناب ابراہیم خاں کے یہاں ہوئی ۔ ایم ۔ اے اور بی ۔ ایڈ کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد درس وتدریس کو ذریعہ معاش بنایا آج کل آپ ہیچ ۔ پی اسکول، درگاہ محلہ، کولار میں صدر مدرس ہیں ۔ ۱۹۶۸ء میں شاعری کی ابتدا ہوئی پہلی تخلیق روزنامہ"پاسبان" بنگلور میں شائع ہوئی ۔ نورس رجسٹرڈ بنگلور کے فعال رکن ہیں آپ ابتدا میں جمیل کولاری ظہیر غازی پوری اور علی احمد جلیلی سے مشورہ سخن کرتے رہے ۔ اب جناب فرحت قادری کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں ۔ آپ کی غزلوں کا مجموعہ "روشنی کے پھول" کرناٹک اردو اکادمی نے ۱۹۸۴ء میں شائع کیا ۔ آپ کا کلام ادبی رسائل وجرائد کی زینت بنا رہتا ہے ۔

مستقل پتا: الامین ہیچ ۔ پی ۔ اسکول ۔ درگاہ محلہ کولار کرناٹک ۔

نمونۂ کلام　　　　　　　　　　　　　　　　انور خاں انور مینائی

کیا کیا شگفتہ چہرے بے آب ہو گئے ہیں
جب اپنے جسم سوکھے تالاب ہو گئے ہیں

بستر جو ناگ بن کر ڈسنے لگا ہے ہم کو
سب خوف ناک منظر بے خواب ہو گئے ہیں

آئیں کہاں سے موجیں تازہ حرارتوں کی
جذبات کے بدن جب برفاب ہو گئے ہیں

خواہش کی دھند پھیلی حدِّ نگاہ تک یوں
خوابوں کے بحر میں ہم غرقاب ہو گئے ہیں

سچ کی کتاب گھر گھر کیا ڈھونڈنے چلے ہو
نسخے تمام اُس کے نایاب ہو گئے ہیں

بیکلؔ اُتساہی

محمد شفیع خاں لودھی نام بیکلؔ اتساہی تخلص، ۱۹ جولائی ۱۹۲۸ء کو موضع گور رامواپور تحصیل اترولا ضلع گونڈہ (یو۔ پی) میں محمد جعفر خاں لودھی مرحوم کے یہاں تولد ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا شمار اس علاقے میں انڈین نیشنل کانگریس کی نامور شخصیتوں میں ہوتا تھا۔ آپ نے اردو میں ادیب، ماہر، کامل اور منشی کے ساتھ ساتھ ہندی میں وسنیش یوگتا اور وشارد کے امتحانات پاس کئے اور انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی۔

شاعری کا شوق آپ کو اوائل عمری سے ہے۔ آپ ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ غزل اور گیت وجد آفریں ترنم سے پڑھتے ہیں۔ حضرت جگر مرادآبادی سے شرف تلمذ ہے۔ ۱۹۴۹ء میں حاجی وارث علی شاہ صاحب کے آستانہ عالیہ سے آپ کو "بیکل" تخلص تفویض کیا گیا۔ ۱۹۵۲ء میں پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک اجتماع میں آپ کے ولولہ انگیز اشعار سن کر تخلص میں اُتساہی کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح محمد شفیع خاں نے "بیکل اتساہی" تخلص اختیار کر لیا۔ آپ کی پہلی تصنیف "باپو کا سپنا (دیوناگری رسم الخط) ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد ہندی کلام کے تین مجموعے اور اردو رسم الخط میں "نغمہ و ترنم"، "نشاط زندگی"، "سرور جاوداں"، "پُروائیاں"، "غزل سانوری" اور "کومل مکھڑے بیکل گیت"، شائع ہو کر داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کو متعدد انعامات و اعزازات بھی حاصل ہوئے ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں صدر جمہوریہ ہند نے آپ کو "راشٹریہ گیت ایوارڈ" سے سنمانت کیا۔ ۱۹۷۴ء میں یو پی اسمبلی سے محمد علی جوہر ایوارڈ ملا۔ کانپور

کلچرل سوسائٹی نے ۱۹۷۷ء میں جگر ایوارڈ دیا۔ میر اکادمی لکھنؤ نے ۱۹۸۱ء میں میر ایوارڈ دیا۔ پاکستان سے بھی آپ کو ۱۹۸۲ء میں اعزازی شیلڈ ملی اور سیرت کمیٹی سنتا نے قومی یک جہتی میڈل دیا۔ ۱۹۷۶ء میں آپ کو "پدم شری" کا خطاب ملا اور ۱۹۸۶ء میں اتر پردیش سے راجیہ سبھا کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپ نے گونڈہ میں جگر میموریل کالج کی بنیاد رکھی۔ بیکل صاحب بال بھارتی مان ٹیسری اکادمی بلرام رامپور کے چیرمین انوار القرآن عربیک کالج بلرام پور کے سرپرست اور عربیک یونیورسٹی مبارک پور، اعظم گڑھ کے نائب چیرمین ہیں۔ گورکھپور یونیورسٹی کورٹ کے بھی آپ ایک اہم رکن رہے ہیں۔ بیکل صاحب ملک اور بیرون ملک کے مشاعروں میں احترام سے مدعو کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں امریکہ، برطانیہ، کناڈا، سعودی عرب، عرب امارات اور پاکستان کا متعدد بار سفر کر چکے ہیں۔

مستقل پتا:۔ سول لائن بلرام پور گونڈہ - ۲۷۱۲۰۱ (یو پی)۔

نمونۂ کلام

بیکلؔ اتساھی بلرام پوری

شمعِ صد جلوہ نہیں رونقِ محفل تنہا
کتنی شمعوں کو جلائے ہے مرا دل تنہا

حُسن ہنگامۂ بازار میں مصروف رہا
عشق تو چُپ ہے سجائے ہوئے محفل تنہا

عزم محکم ہو تو ہوتی ہیں بلائیں پسپا
کتنے طوفان پلٹ دیتا ہے ساحل تنہا

سب کے ہونٹوں پہ تبسّم تھا میرے قتل کے بعد
جانے کیا سوچ کے روتا رہا قاتل تنہا

لوگ تو ہو گئے بیکلؔ غمِ دوراں کا شکار
رہ گیا میں ہی زمانے کے مقابل تنہا

بیکلؔ اتساھی بلرام پوری

جب کوچۂ قاتل میں ہم لائے گئے ہوں گے
پردے بھی دریچوں کے سرکائے گئے ہوں گے

مے خانے میں جب زاہد پہنچائے گئے ہوں گے
خاطر کے طریقے سب اپنائے گئے ہوں گے

جب عشرتِ شاہی کو کچھ ٹھیس لگی ہو گی
سُولی پہ کئی سرمد لٹکائے گئے ہوں گے

جب شیش محل کوئی تعمیر ہوا ہوگا
دیواروں میں دیوانے چُنوائے گئے ہوں گے

وہ کچھ بھی کہیں لیکن تنہائی کے عالم میں
کچھ گیت ترے بیکلؔ دوہرائے گئے ہوں گے
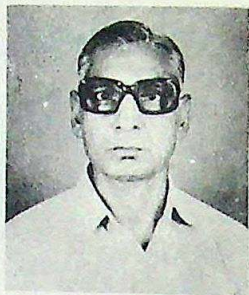
برہمانند جلیسؔ

برہمانند جلیس خلف پنڈت بدلو رام ۲۸ جنوری ۱۹۳۰ء کو ٹومنہ ضلع روہتک (ہریانہ) میں تولد ہوئے۔ میٹرک کا امتحان کوسلی (ضلع روہتک) ہائی سکول سے پاس کیا۔ ۱۹۴۹ء میں دہلی آکر محکمہ ڈاک۔ تار (آر۔ایم۔ایس) میں ملازمت اختیار کر لی۔ ۱۹۵۵ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ دیال سنگھ کالج دہلی سے زبان و ادب کے ذوقِ مطالعہ کے زیر اثر ایم۔ اے فارسی کا امتحان ۱۹۶۰ء میں پاس کیا۔ ڈاکٹر منوہر سہائے انورؔ ان دنوں صدر شعبۂ فارسی تھے۔ اور داغ دہلوی کے اشعار اکثر سنایا کرتے تھے یہ ماحول ذوقِ شعری کو ابھارنے میں مددگار ثابت ہوا۔ ابتدائی رہنمائی انھیں کی صحبت سے حاصل ہوئی۔ ۱۹۶۱ء میں قبلہ تلوک چند محرومؔ کے آگے زانوئے ادب تہ کیا۔ خرابی صحت کے باعث جناب محرومؔ نے ان کو قبلہ جوشؔ ملسیانی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہونے کی صلاح دی چنانچہ آپ ۱۹۶۲ء میں قبلہ جوشؔ ملسیانی کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے۔

۱۹۵۲ء میں پرتاپ دہلی کے سنڈے ایڈیشن میں پہلی نظم "شوخیٔ حسنِ خیال" شائع ہوئی۔ آپ حلقۂ تشنگان ادب نئی دہلی کے نائب صدر، "خمخانۂ ادب دہلی اور "کاروانِ جوشؔ" دہلی کے فعال رکن ہیں۔ مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ ندرتِ خیال اور شیرینیٔ بیان کی داد پاتے ہیں۔ تحقیقی اور تنقیدی مضامین بھی سپرد قلم کرتے ہیں اور نئے لکھنے والوں کی مشورۂ سخن سے حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔ اردو زبان کے فدائی ہیں اور اس کی ترقی و توسیع کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ مختلف عہدوں پر مامور رہ کر محکمہ ڈاک سے جنوری ۱۹۸۸ء میں ریٹائر ہوئے ہیں۔

مستقل پتا:۔ بی۔ ایچ ۲۹۷ شالی مار باغ (پوروی)، دہلی۔ ۱۱۰۰۵۲

غزل

داستانِ شمع تھی یا قصّۂ پروانہ تھا
انجمن میں عشق ہی عنوانِ ہر افسانہ تھا

جستجوئے دَیر و کعبہ سے ہوا ظاہر یہی
مَیں حقیقت میں خود اپنی ذات سے بیگانہ تھا

میری ہستی تھی بذاتِ خُود مُکمّل مے کدہ
مَیں کبھی شیشہ کبھی ساغر کبھی پیمانہ تھا

بدگمانی سے ہُوا اپنے پرائے کا گُماں
ورنہ اپنا تھا نہ دُنیا میں کوئی بیگانہ تھا

محفلِ ہستی میں دیکھا ہے یہی ہم نے جلیسؔ
جس کو جتنا ہوش تھا اُتنا ہی وہ دیوانہ تھا

برہمانند جلیس

غزل

شرابِ حق پرستی سے ہمیں مخمور ہو جانا
کبھی عیسےٰ کبھی سرمد کبھی منصور ہو جانا

کوئی عیسیٰ کوئی گوتم اگر نکلے تو ہم جانیں
عجب کیا ہے بشر کا قیصر و فغفور ہو جانا

اسی کے دم سے قائم ہے حقیقت میں وجود اِس کا
وفاتِ دل ہے دل سے درد کا کافور ہو جانا

خبر بھی ہے کچھ اے تقلیدِ فن کے معتقد تجھ کو
ہُنر کی موت ہے تقلید پر مجبور ہو جانا

جو اپنی ہستیِ پُر نور کے جلووں سے عاری ہے
مبارک ہو جلیسؔ اُس کو کلیمِ طور ہو جانا

للّن چودھری آفتؔ

للّن چودھری نام آفتؔ تخلص، ۱۷ مئی ۱۹۲۳ء کو گنج پور ضلع گورکھپور (یو پی) میں شری رام داس چودھری کے یہاں تولّد ہوئے۔ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء میں شعر گوئی کا آغاز ہوا۔ اور پہلی تخلیق "سوکوئی" ہندی ماہنامہ کانپور میں شائع ہوئی۔ آپ نے ابتدا میں احمد وصیؔ سے استفادۂ سخن کیا بعد ازاں جناب برہمانند جلیسؔ سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔ حلقۂ تشنگانِ ادب۔ آر۔ کے پورم نئی دہلی کے فعال رکن تھے۔ تین مجموعہ ہائے کلام منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ "کلامِ آفت"، "غزلیاتِ آفت" اور "نوائے آفت"۔ گذشتہ ۳۰ برس سے آپ خدمتِ ادب انجام دے رہے تھے۔ ۱۹۸۷ء میں مختصر علالت کے بعد راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ وفات سے ایک روز قبل یہ شعر وردِ زبان تھا ؂

زندگی آ تجھے قاتل کے حوالے کر دوں
مجھ سے اب خونِ تمنّا نہیں دیکھا جاتا

نمونۂ کلام — آفت گجپوری

غزل

سرِ محفل وہ اچھا سا لگا تھا
پرایا ہو کے اپنا سا لگا تھا

یہ زخمِ دل ہی کل ناسُور ہو گا
مجھے پہلے ہی کھٹکا سا لگا تھا

میں گھر میں قید تھا آزاد ہو کر
مرے ہر سمت پہرہ سا لگا تھا

یہ کیا ہے راز، کیوں جگنے سے پہلے
مجھے ہر خواب سچا سا لگا تھا

نہ پوچھ اس دل کی ویرانی، جہاں کل
تمنّاؤں کا میلا سا لگا تھا

خوشی بازار میں آفتؔ گراں تھی
اُٹھایا غم جو سستا سا لگا تھا

جگدیش چند جین جگدیش

جگدیش چند جین جگدیش ولد شری الفت رائے جین کی ولادت ۱۸ر نومبر ۱۹۲۲ء کو صدر بازار دہلی میں ہوئی۔ آپ نے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی سرکاری ملازمت کی ابتدا محکمہ فوج سے ہوئی۔ اور ۱۹۴۴ء میں کپتان کے عہدے پر فائز ہوئے۔ وہاں سے سبک دوش ہو کر محکمہ تار سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۸۱ء میں آپ اسسٹنٹ چیف سپرینٹنڈنٹ دہلی کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۳۴ء سے ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ جناب برہمانند جلیس سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ آپ مختلف ادبی تنظیموں سے منسلک ہیں۔ پنشنر سماج کے سکریٹری۔ جین مینری سنگھ کے خازن اور "حلقہ تشنگانِ ادب" کے صدر نیز بزم ادب "گرین پارک کے بھی صدر رہے۔ تقریباً چار دہائیوں سے ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ راجدھانی کی سماجی اور تہذیبی تنظیموں کے فعال رکن ہیں۔ آپ کا آبائی وطن پلول (ہریانہ) ہے۔

مستقل پتا:۔ ۱۰ ایچ گرین پارک نئی دلی ۱۶

نمونۂ کلام

جگدیش جین

غزل

پینے والا ہو تو مل جاتے ہیں میخانے بہت
شرطِ اوّل مے ہے، ساغر اور پیمانے بہت

پھوٹ نکلے ہیں یہ کس وحشی کے چھالے اے ندیم
کھِل اٹھے گلشن جہاں کل تک تھے ویرانے بہت

دُور ہی مجھ سے رہے ہیں دورِ مشکل میں حبیب
کام ایسے وقت میں آئے ہیں بیگانے بہت

دیکھئے کس کے مقدر میں ہے تخلیقِ چمن
ڈالنے والے نے ڈالے ہیں یہاں دانے بہت

تشنہ کامی کا نہیں جگدیش اب کوئی گلہ
خیر سے آباد بستی میں ہیں میخانے بہت

جگدیش جین

غزل

آشنا جب اپنی ہستی سے بشر ہو جائے گا
رازِ حق سے بھی یقیناً باخبر ہو جائے گا

تیر جو چلتے رہے بادِ صبا کے بار بار
پھول کا سینہ بھی پتھر کا جگر ہو جائے گا

یہ تبسّم اور نکہت سب ہوا ہو جائیں گے
پھول جب کھل جائے گا زخمِ جگر ہو جائے گا

تھا بقولِ میر دلّی ایک شہرِ انتخاب
کیا خبر تھی یہ بھی خوابوں کا نگر ہو جائے گا

جیسے گزرے شہر سے دیوانہ کوئی بے خبر
زیست سے جگدیش اپنا یوں گزر ہو جائے گا

اخلاق حسین اخلاقؔ سہسوانی

اخلاق حسین اخلاقؔ ۲۴ جولائی ۱۹۳۰ء کو سہسوان ضلع بدایوں (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ والد محترم اشتیاق حسین احقرؔ سے شاعری آپ کو ورثہ میں ملی۔ مڈل ادیب ادیب ماہر۔ ادیب کامل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد تجارت شروع کر دی پہلی تخلیق ۱۹۵۲ء میں ماہنامہ "چلمن" دہلی میں شائع ہوئی۔ شعر گوئی کے علاوہ آپ نے نثری مضامین بھی لکھے ہیں۔ آپ کا ناول "آخری راستہ" منظر عام پر آچکا ہے۔ آپ راز احسنی صاحب کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں"۔ انجمن آہنگ ادب" بدایوں اندرا گاندھی میموریل سہسوان اور انجمن "فروغ ادب" کاس گنج (رابطہ) کے سکریٹری ہیں۔ ماہنامہ "گل کدہ" سہسوان (بدایوں) ماہنامہ "گلرخ" دہرادون کے اعزازی مدیر بھی رہ چکے ہیں۔
انجمن ترقی اردو سہسوان کے ممبر ہیں۔ ملک کے معروف رسائل وجرائد میں کلام چھپتا رہتا ہے۔ ۱۹۹۱ء میں آپ کا مجموعہ کلام "خاکستر دل" کے عنوان سے منظر عام پہ آیا ہے۔
مستقل پتا:۔ محلہ شہباز پور سہسوان۔ ضلع بدایوں۔

غزل

میں جھوٹ کو سچ کہہ نہ سکا، دیکھئے کیا ہو
اس بات پہ دنیا ہے خفا، دیکھئے کیا ہو

میں راہنما کہہ نہ سکا راہ زنوں کو
تجویز مجھے اس کی سزا، دیکھئے کیا ہو

ہر جسم ہے خوں بار ہر اک گھر ہے شرر بار
اس دور میں اس سے بھی سوا دیکھئے کیا ہوا

انسان جو صدیوں سے خدا کا ہے پیامی
اب کرتا ہے تقسیم خدا، دیکھئے کیا ہو

اخلاق! میں اب اپنے نشیمن کو جلا کر
دیتا ہوں گلستاں کو ضیاء، دیکھئے کیا ہو

اخلاقؔ سہسوانی

غزل

عشق کا یہ بھی ہے سرمایا بہت
مل گیا غم مجھ کو تھوڑا یا بہت

تپ رہا تھا دھوپ میں اُس کا بھی سر
تھا گھنا جس پیڑ کا سایا بہت

دیکھ کر ہر شخص کے چہرے پہ کرب
دورِ ماضی مجھ کو یاد آیا بہت

اِک کرشمہ ہے یہ ڈھلتی دھوپ کا
بڑھ گیا مجھ سے مرا سایا بہت

کر کے ان کی بزم میں ذکرِ وفا
آج میں اخلاقؔ شرمایا بہت

ڈاکٹر بیتاب علی پوری

ڈاکٹر رامانند بیتاب علی پوری ۷ ا مارچ ۱۹۳۲ء کو علی پور ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) میں شری آسانند کے یہاں تولد ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ مستقل طور پر سونی پت میں آباد ہو گئے۔ آپ نے بی۔ اے ادیب فاضل اور آر۔ ایم پی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۴۵ء میں ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ اور پہلی تخلیق روزنامہ "پرتاپ" لاہور میں چھپی۔ آپ منوہر لال شہید علی پوری کے دامن فیض سے وابستہ رہے ان کے انتقال کے بعد جے رام داس فلک سے منسلک ہو گئے۔ آپ نے فیلڈ جوش ملسیانی سے بھی استفادہ سخن کیا ہے۔ "ادبی سنگم ہریانہ" سونی پت کے بانی اور جنرل سکریٹری ہیں۔ آریہ سماج کھنہ کالونی اور لاجپت نگر سونی پت کے صدر اور آل انڈیا ہومیو پیتھک ایسوسی ایشن کے نائب صدر ہیں۔ راہی منچ ریواڑی نے آپ کو "شاعری رتن" کے خطاب سے نوازا ہے منوہر لال جین ادبی ایوارڈ (سونی پت) برائے ۸۷۔۱۹۸۶ء سے بھی آپ کو سمانت کیا گیا۔ ہفت روزہ اشوک چکر، سونی پت کے اعزازی مدیر ہیں۔ "غنچہ و گل"، "دردِ مشترک"، "بتیابیاں"، "سوغات" آپ کے مجموعۂ کلام ہیں۔ "لہریں اور "سفینہ" کے آپ مولف ہیں۔ کالج اسٹوڈنٹ کی ڈائری کے عنوان سے ایک ناول بھی چھپ چکا ہے۔ دو کتابیں "ہومیوپیتھی رہبر" (ہندی) اور "طب ہومیوپیتھی" منظوم (اردو) شائع ہو چکی ہیں۔ آج کل آپ دلی مونسپل کارپوریشن میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر (نریلہ) کے عہدے پر فائز ہیں۔

مستقل پتا:۔ رام بازار سونی پت۔ ہریانہ۔

نمونۂ کلام ڈاکٹر بیتاب علی پوری

غزل

کلی ہے بند لب، گُل کی نظر ہے چاکِ داماں پر
اندھیروں کا تسلّط ہے ابھی صُبحِ بہاراں پر

چمن کا پتّہ پتّہ زرد رُو کیوں ہو گیا اِک دم؟
اثر کس بات کا آخر ہوا سارے گلستاں پر

ہم اپنے مُحسنوں کو قتل کر دینے کے عادی ہیں
لگا لیتے ہیں اپنے ہاتھ سے داغ اپنے داماں پر

منوں مٹی کے نیچے دابتے ہیں یا جلاتے ہیں
یہ ظلمِ ناروا تو دیکھئے اِک جسمِ بے جاں پر

مجھے تو ہر پریشانی مسرّت بخش ہوتی ہے
زمانہ کیوں پریشاں ہے مرے حالِ پریشاں پر

ڈاکٹر بیتاب علی پوری

غزل

آئی ہے پھر بہار گلوں پر نکھار ہے
اہلِ چمن پہ رحمتِ پروردگار ہے

خنداں ہے کوئی اور کوئی سوگوار ہے
یہ بھی مآلِ گردشِ لیل و نہار ہے

ہر گُل ہے زرد رُو تو ہر اک غنچہ بند لب
صحنِ چمن میں اب کے یہ کیسی بہار ہے

یہ عشق دل لگی ہی نہیں بندگی بھی ہے
عاشق کا بندگانِ خدا میں شمار ہے

پھیلائیں آؤ دامنِ اُمید پھر سے ہم
آؤ دیئے جلائیں شبِ انتظار ہے

ستیہ پال اشک

ستیہ پال اشک کی پیدائش یکم اکتوبر ۱۹۴۰ء کو سرائے سدھو' ملتان (پاکستان) میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام شری دیوی دیال ہے۔ تقسیم ملک کے بعد سونی پت میں آکر آباد ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد ملازمت شروع کی۔ آج کل ریسرچ سنٹر پی اینڈ ٹی بورڈ دہلی میں سائنٹفک آفیسر کے عہدے پر مامور ہیں ۱۹۸۵ء میں "اشوک چکر" سونی پت میں پہلی تخلیق شائع ہوئی۔ آپ ڈاکٹر بیتاب علی پوری سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ "ادبی سنگم ہریانہ" سونی پت کے مجلس عاملہ کے ممبر ہیں۔

مستقل پتا:۔ ۶۵۴۔ کلاں سونی پت ہریانہ

ستنیہ پال آشک سونی پتی

نمونۂ کلام

غزل

بھلا ہو ترا دل میں گھر کرنے والے
مری شام غم کو سحر کرنے والے

کہاں ہیں مہمات سر کرنے والے
زمانے کو زیر و زبر کرنے والے

کبھی مُڑ کے پیچھے نہیں دیکھتے ہیں
جو ہوتے ہیں منزل کو سر کرنے والے

قفس لے کے اڑتے ہیں ہم آسماں تک
گئے، شکوۂ بال و پر کرنے والے

کرم کی نظر ہو کبھی اشک پر بھی
سبھی پر کرم کی نظر کرنے والے

مہندر سنگھ آزاد

گورداس پوری

مہندر سنگھ آزاد خلف سردار جھنڈا سنگھ کی پیدائش ۲۲ ستمبر ۱۹۳۳ء کو ظفروال ضلع گورداس پور (پنجاب) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے انجنیرینگ کا ڈپلومہ حاصل کیا۔ آج کل آپ جمشید پور میں میکنیکل انجینیر ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں آپ کی شاعری کی شروعات ہوئی اور جنوری ۱۹۵۴ء میں "پگڈنڈی" امرتسر میں پہلی تخلیق شائع ہوئی۔ "بزم سالک" اور اردو رائٹرس ایسوسی ایشن کے صدر اور حلقہ ارباب فن جمشید پور کے نائب صدر رہے۔ آپ کا مجموعۂ کلام، رباب سخن ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔ آپ کا کلام رسائل وجرائد میں چھپتا رہتا ہے۔ قبلہ جوش ملسیانی کے کہنہ مشق تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

مستقل پتا:۔ کوارٹر نمبر ۴۔ بلاک نمبر ۵۲/۲ روڈ نمبر ۱۷ ادیتہ پور جمشید پور ۸۳۱۰۱۳ (بہار)

نمونۂ کلام

مہندر سنگھ آزاد
گورداس پوری

غزل

عجیب شخص ہے، بھیجوں میں اُس کو کیا لکھ کر
کہ رہ گیا ہوں فقط "میرے دلرُبا" لکھ کر

یہ کیا ضرُور، ورق کے ورق سیاہ کرو
بہت ہے بھیج دو اک حرفِ آشنا لکھ کر

قبول ہو کہ نہ ہو، اِس سے کیا غرض مجھ کو
میں پیش کر دوں اُسے اپنی التجا لکھ کر

زمانہ خود ہی سمجھ لے گا معنی و مفہوم
میں چھوڑ جاؤں گا افسانۂ وفا لکھ کر

جہاں میں ایسے بھی کچھ کم نگاہ ہیں آزاد
کہ فخر کرتے ہیں خورشید کو دیا لکھ کر

مہندر سنگھ آزادؔ
گورداس پوری

غزل
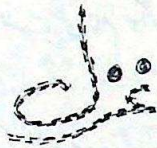
دِل عشق زدہ ہو تو چھپائے سے چھُپے نا
چشمہ ہے یہ پربت کا چٹانوں میں رُکے نا

شہروں میں تو یہ جنس تھی اِک عُمر سے نایاب
اب گاؤں میں بھی ڈھونڈھو مروّت تو ملے نا

پھر یاد کوئی دیتی ہے دستک درِ دِل پر
کہہ دو یہ خرابہ ہے یہاں کوئی رُکے نا

اندازِ نظر اپنا بدل کر ذرا دیکھو
بیگانہ جسے کہتے ہو بیگانہ لگے نا

ہرچند یہاں ٹوٹ کے برسا کیے بادل
صحرائے تمنّا کی مگر پیاس بجھے نا

شہلہ ۹ ر

شباب للت

بھگوان داس نام شباب للت قلمی نام ۳ر اگست ۱۹۳۳ء کو جناب رام کرشن للت کے یہاں خان گڑھ (پاکستان) میں تولد ہوتے۔

شباب صاحب نے ہسٹری اور اردو میں ایم۔اے اور بی۔ٹی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ بعد میں "ذرائع ابلاغ" کا ڈپلوما کورس پاس کیا۔ آپ کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۲ء میں ہوا۔ پہلی تخلیق اپریل ۱۹۴۶ء میں ماہنامہ "اوم" لاہور میں شائع ہوئی۔

للت صاحب قبلہ جوش ملسیانی کے شاگرد ہیں۔ آپ کی چودہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اردو رسم خط میں: ا"مضراب" ۱۹۶۱ء (انعام یافتہ) ۲ر "بنوار" ۱۹۶۴ء (انعام یافتہ) ۳ر "پُروائی" ۱۹۶۷ء ۴ر "منزل منزل" ۱۹۷۰ء ۵ر "صحرا کی پیاس" ۱۹۷۳ء (انعام یافتہ) ۶ر "اڑان" ۱۹۷۶ء (انعام یافتہ) ۷ر "دائروں کا سفر" ۱۹۸۰ء (انعام یافتہ) ۸ر "زرد موسموں کے درد" ۱۹۸۳ء ۹ر "سمندر پیاسا ہے" ۱۹۸۶ء ۱۰ر "آنچ برف زاروں کی" ۱۹۸۸ء۔ دیوناگری رسم الخط میں مجموعے: ا ر "بنوار" ۱۹۷۲ء ۲ر "دھنک میری چیتنا کی" ۱۹۷۴ء ۳ر "اپنی تلاش میں" ۱۹۸۶ء "بھاگسو دے نونتربن" ۱۹۷۷ء (پہاڑی کلام) آپ "بزم ادب ہماچل پردیش رجسٹرڈ" کے سینئر نائب صدر ہیں اور ہماچل پردیش کلا سنسکرتی بھاشا اکادمی کی مجلس عاملہ کے ممبر۔ آپ انجمن ترقی اردو ہند کی ہماچل شاخ کے سینئر نائب صدر بھی ہیں۔ آج کل آپ شملہ میں مرکزی سرکار کے محکمہ اطلاعات و نشریات کے فیلڈ پبلسٹی آفیسر ہیں۔

حضرت منوّر لکھنوی سے مشورہ سخن کرتے رہے ہیں۔ اور قبلہ جوش ملسیانی کے ارشد تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

مستقل پتہ:- ۹۔ ہائیڈویل۔ چوڑا میدان۔ شملہ ۴ (ہماچل)

غزل

خود نرالا ہے وہ تحفے بھی نرالے دے گا
میری آنکھیں نہ رہیں گی تو اجالے دے گا

کافری اس کے ہر ایک فعل سے ٹپکے گی، مگر
اپنے ہر قول میں قرآں کے حوالے دے گا

توڑ ڈالے گا وہ گوہر مری خودداری کے
یہ تو سچ ہے کہ وہ سونے کے نوالے دے گا

دوستی اس نے بڑھائی تھی تو معلوم نہ تھا
خود ہنسے گا مرے ہونٹوں کو وہ نالے دے گا

کہیں نزدیک سے اُبھرے گا وہ ساحل بن کر
جب سمندر مری کشتی کو اُچھالے دے گا

لا کے جھوٹوں کو وہ بستی میں بسائے گا شباب
سچ جو بولیں گے انھیں دیس نکالے دے گا

شباب للت

غزل

آگیا وہ دن میاں بھگتو گے خمیازے بہت
ہم فقیروں پر کسے تم نے بھی آوازے بہت

تم نے جو قصّے کیئے منسوب میری ذات سے
تھی حقیقت ان میں تھوڑی اور اندازے بہت

جن کو اپنی کامیابی کا بڑا پندار تھا
ہم نے دیکھے ہیں بکھرتے ان کے شیرازے بہت

شہر کے میلوں میں یوں تو گل رُخوں کی بھیڑ تھی
اِن میں چہرے تھے مگر کم اور تھے غازے بہت

ہم نے ٹھکرائے نہ جانے کتنی نظروں کے پیام
مہہ وشوں نے ہم پہ کھولے دل کے دروازے بہت

ہم شریف انساں شباب اس گھر میں نا محفوظ ہیں
اس میں دیواریں تو کم ہیں اور دروازے بہت

سُکھ دیو متر

سکھدیو متر المتخلص متؔر نکودری خلف لالہ دھرم پال ذات کھتری چوپڑہ ساکن نکودر ضلع جالندھر۔ تاریخ ولادت ۲۶ اپریل ۱۹۳۳ء۔ ۱۵ برس کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا لہٰذا گھر کی تمام ذمہ داریاں آپ پر آ پڑیں اور تعلیم کا سلسلہ میٹرک تک پہونچ کر رہ گیا۔ ۱۹۴۹ء میں آپ نے میونسپل کمیٹی نکودر میں ملازمت کی اور بعد میں ادیب عالم اور دیگر امتحانات پاس کئے۔ ۱۹۴۷ میں شاعری کا شوق پیدا ہوا اور اپنے ماموں رامؔ صاحب سے ابتدائی کلام پر اصلاح لیتے رہے۔ اس کے بعد ان کے مشورہ سے قبلہ جوشؔ ملسیانی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہو گئے۔ جوشؔ صاحب کے ایما پر نسیم نورمحلی سے بھی مشورہ سخن کرتے رہے۔ مقامی ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

پتا:۔ نکودر۔ ضلع جالندھر (پنجاب)

سکھدیو مِتّر
نکودری

نمونۂ کلام

غزل

عالمِ احساس کو فانی کہاں سمجھا تھا میں
نوجوانی کو بہارِ جاوداں سمجھا تھا میں

یہ غلط فہمی مری پرواز میں حائل رہی
گوشۂ زنداں کو اپنا آشیاں سمجھا تھا میں

ہر نئی آفت میں غیرت نے بڑھایا حوصلہ
ہر نئی آفت کو اپنا امتحاں سمجھا تھا میں

جذبۂ صادق کے دم سے طے ہوئی راہِ وفا
کام آیا دل ہی جس کو رائیگاں سمجھا تھا میں

یہ حقیقت مجھ پہ اے متّر ہوئی اب آشکار
مطلبی تھے دوست جن کو مہرباں سمجھا تھا میں

اظہر ہاشمی

سید محمد اظہار الحسن، اظہر ہاشمی ولد سید انوار الحسن ۱۱ جولائی ۱۹۳۵ء کو آرہ ضلع بھوجپور میں پیدا ہوئے۔ آئی۔ اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملازمت کا آغاز ہوا۔ آج کل فلڈ کنٹرول ڈویژن مکامہ، پٹنہ میں ہیڈ اسسٹنٹ ہیں۔ شعر گوئی کا ذوق ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۹۵۰ء میں روزنامہ "صدائے عام" پٹنہ میں پہلی تخلیق شائع ہوئی۔ طویل عرصے تک ماہنامہ "شاخ گل" کے اعزازی مدیر رہے۔ "بزم نور" آرہ کے سرپرست ہیں۔ حضرت نور نوحی کے فارغ الاصلاح شاگرد ہیں۔

مستقل پتا:۔ محلہ چودھرانہ۔ آرہ ضلع بھوجپور۔

نمونۂ کلام | سیّد اظہار الحسن اظہر ہاشمی

غزل

مری زندگی جہاں میں ترے دم سے ہے سلامت
کہ نشاط و کامرانی ہے کرم تری نظر کا

مجھے مے پلا دے ایسی کہ نشہ کبھی نہ اُترے
میں طواف بیخودی میں کروں تیری رہ گزر کا

تیرا میکدہ سلامت ترے خُم کی خیر ساقی
کوئی جام دے اِدھر بھی کہ ہوں پیاسا عمر بھر کا

نظر آرہا ہے مجھ کو جو غبار آسماں پر
وہ دھواں نہیں تو کیا ہے مری آہِ بے اثر کا

سلطان محمد خاں کلیم ترہنوی

کلیم صاحب کی پیدائش یکم اگست ۱۹۳۵ء کو جناب اشفاق محمد خاں کے یہاں محلہ سرائے ترین سنبھل میں ہوئی۔ آپ اوائل عمری میں ہی سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ لہٰذا سلسلۂ تعلیم میٹرک کے بعد منقطع ہو گیا۔ شعر و ادب کا شوق بچپن سے تھا۔ اپنے ذوقِ شعری کو فروغ دینے کے لیے آپ نے اردو کے امتحانات ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل پاس کیے۔ ابتدائی کلام پر آپ نے مولانا یعقوب علی خاں (مرحوم) سے اصلاح لی۔ بعد میں جناب ابرار حسنی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہو گئے۔ آپ سنبھل کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔

مستقل پتا:۔ سرائے ترین۔ سنبھل۔ ضلع مراد آباد (یو۔پی)

منتخب اشعار

خود ہی آجائے گی قدموں میں سمٹ کر منزل
اے مسافر جو ترا عزم طلب محکم ہے

اسے اپنی کشش سمجھوں کہ کوئی مصلحت جانوں
زباں پر آپ کی کیوں آج میرا نام آیا ہے

تو اشک دیکھ کے ہنس دے تو بات بن جائے
لُٹا رہا ہوں یہ موتی تری خوشی کے لیے

عشق کو کیا اور ملتا بارگاہِ حُسن سے
چاک داماں لے چلا چاکِ گریباں لے چلا

بڑی خوشی تھی کہ اُن سے مل کر کلیمؔ ہم حالِ دل کہیں گے
ملے تو چُپ لگ گئی کچھ ایسی کہ جیسے مُنھ میں زباں نہیں ہے

مسعودہ حیاتؔ

مسعودہ حیات نام حیاتؔ تخلص، دختر مولوی حکیم عبدالحکیم صاحب، ولادت ۱۵ر دسمبر ۱۹۳۵ء قصبہ گنہور ضلع بدایوں۔ آپ نے ایم۔اے۔ بی ایڈ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اور ادیب فاضل کا امتحان امتیازی درجے میں پاس کیا۔ ادبی زندگی کا آغاز "اردو مجلس" آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر بہ کلام سے ہوا۔ آپ کی پہلی تخلیق ماہنامہ "احسن" میں شائع ہوئی۔ آپ ابر حسنی کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہیں۔ ان دنوں آپ گورنمنٹ گرلز سکینڈری اسکول لال کنواں دہلی میں ٹیچر ہیں۔ آل انڈیا اردو رائٹرس اینڈ جرنلسٹ فورم کی ممبر ہیں۔ ۱۹۸۸ء میں آپ کا مجموعۂ کلام "بوئے سخن" شائع ہوا جس پر بہار اور یوپی اردو اکادمیوں نے انعام سے نوازا۔ نیشنل بک ٹرسٹ آف انڈیا کی ہندی کتابوں "پگلا آم" "پھول اور ریں" کا ترجمہ اردو میں شائع ہو چکا ہے۔ انگریزی اور ہندی کی متعدد کہانیوں کے اردو میں ترجمے پیام تعلیم دہلی میں اشاعت پذیر ہوئے۔ راجدھانی کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتی ہیں۔

مستقل پتا:۔ ۲۶/۱۶۱ سیکٹر ۳ آر۔ کے اشرم، گول مارکٹ۔ نئی دلی ۱۱۰۰۰۱

غزل

خالی شرابِ عشق سے ساغر کبھی نہ تھے
ایسے تو خشک دل کے سمندر کبھی نہ تھے

جو سنگِ احتساب یہ کانوں کے پاس ہیں
دشمن کے ہاتھ میں بھی وہ پتھر کبھی نہ تھے

کس سمت جا رہے ہیں انھیں خود پتا نہیں
یوں بے خبر تو راہ سے رہبر کبھی نہ تھے

دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا زخمی ہے روح بھی
اتنے تو تیز وقت کے نشتر کبھی نہ تھے

ملتا نہیں کہیں بھی در و بام کا نشاں
ہم گھر میں رہ کے اتنے تو بے گھر کبھی نہ تھے

کیا جانیں کیا ہوئیں وہ حسیں شوخیاں حیاتؔ
ایسے نڈھال پھول سے پیکر کبھی نہ تھے
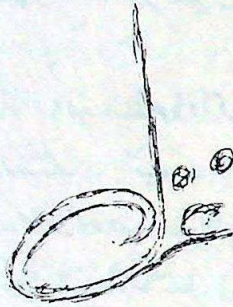
خوشبو سی کوئی آئے تو لگتا ہے کہ تم ہو
شیشہ کہیں ٹکرائے تو لگتا ہے کہ تم ہو

پُر کیف ہوا میں جو کسی پیڑ کے نیچے
آنچل مرا لہرائے تو لگتا ہے کہ تم ہو

چھونے سے کبھی بادِ صبا کے مرے تن میں
اِک برق سی لہرائے تو لگتا ہے کہ تم ہو

جب شام مُلاقات پڑوسی کے مکاں سے
آواز کوئی آئے تو لگتا ہے کہ تم ہو

جب شانہ بھی کرنے نہ اُٹھے ہاتھ ہمارا
اور زلف سنور جائے تو لگتا ہے کہ تم ہو

پروفیسر عنواؔن چشتی

افتخار الحسن نام عنواؔن تخلص، ولادت ۵ فروری ۱۹۳۷ء قصبہ منگلور ضلع سہارنپور (یوپی) شاعری کا ذوق ورثہ میں ملا۔ آپ کے والد ماجد پیر زادہ شاہ انوار الحسن انوؔار معروف و ممتاز شاعر تھے۔ عنوان صاحب نے ایم۔ اے (جغرافیہ اردو) ایم لٹ (اردو) اور پی ایچ ڈی اردو کی ڈگریاں حاصل کیں۔

۱۹۵۰ء میں آپ نے پہلی غزل کہی اور اپنے والد محترم جناب انوؔار منگلوری کی خدمت میں پیش کی۔ جناب نکہت علی ادؔب منگلوری سے بھی مشورہ سخن کرتے رہے۔ بعد ازاں حضرت ابر احسنی گنوری کے حلقہ تلمذ میں شامل ہو گئے۔

عنواؔن صاحب شاعری کے ساتھ ساتھ نثری مضامین بھی لکھتے ہیں۔ اور ایک بلند مرتبہ ناقد و محقق ہیں۔ آپ کی اب تک ۱۷ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

"ذوق جمال" ۱۹۶۶ء "نیم باز" ۱۹۶۸ء "عکس و شخص" ۱۹۶۸ء "تنقیدی پیرائے" ۱۹۶۹ء "تنقید سے تحقیق تک" (انعام یافتہ) ۱۹۷۴ء "اردو شاعری میں ہیئت کے تجربے" ۱۹۷۵ء "کرشن چندر حیات اور خدمات" (مرتبہ) ۱۹۷۷ء "ساز مغرب اردو آہنگ میں" (مرتبہ) ۱۹۷۷ء "اردو شاعری میں جدیدیت کی روایت" ۱۹۷۷ء "منار صدا" ۱۹۸۱ء "معنویت کی تلاش" (انعام یافتہ) ۱۹۸۳ء "مکاتیب احسن مع مقدمہ و حواشی" (انعام یافتہ حصہ اوّل) ۱۹۷۷ء "مکاتیب احسن مع مقدمہ و حواشی (حصہ دوم) ۱۹۸۳ء "عروضی اور فنی مسائل" (انعام یافتہ) ۱۹۸۵ء "حرف برہنہ" (تنقید) ۱۹۸۹ء "اردو میں کلاسیکی تنقید" ۱۹۸۸ء

اور"آزادی کے بعد دہلی میں اردو غزل" (مرتبہ) ۱۹۸۹ء ان کتابوں کے علاوہ سیکڑوں مقالے، مضامین اور تبصرے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

عنوان صاحب درگاہ حضرت شاہ ولایت منگلوریؒ کے سجادہ نشین اور جماعت صوفیائے ہند کے جنرل سکریٹری ہیں اور متعدد یونیورسٹیوں کی کمیٹی آف کورسز، بورڈ آف اسٹڈیز اور بورڈ آف ایڈوانس اسٹڈیز کے رکن ہیں۔ ماہنامہ "قاری" دہلی اور ماہنامہ "شہود"، کلکتہ کے رکن ادارہ ہیں۔ آپ اردو کورس پونڈنس کورس کے ڈائرکٹر اور رکن ایڈوائزری بورڈ آل انڈیا ریڈیو، خازن آل انڈیا یونیورسٹی اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن، آل انڈیا اردو رائٹرس اینڈ جرنلسٹ فورم برائے قومی یک جہتی کے نائب صدر اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں صدر شعبہ اردو کے عہدے پر بھی فائز رہ چکے ہیں۔ کثیر التلامذہ ہیں۔ اور شعرا کی ذہنی تربیت پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔

آج کل آپ اردو اکادمی دہلی کی لائبریری کمیٹی کے وائس چیرمین ہیں۔ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے شعبہ اردو سے منسلک ہیں۔

عنوان صاحب نے ۱۹۸۰ء میں حکومت پاکستان کی دعوت پر وہاں کی یونی ورسٹیوں کا طریقۂ تعلیم مطالعہ کرنے کے لیے دورہ کیا۔ اور ۱۹۸۷ء میں ایران کے دورے پر گئے۔ ان ممالک میں دانشوروں سے تبادلۂ خیال کیا۔ اور ادبی اجتماعات کو خطاب کیا۔

مستقل پتا: بی۔ ۱۱۷ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

نمونۂ کلام

پروفیسر عنواں چشتی

غزل

بہت پُرانی حقیقت فسانا ہے میرا
قفس کے گوشے میں اب آشیانا ہے میرا

نہ کوئی میرا صدف ہے نہ کوئی میرا ہدف
خود اپنی ذات ہی یارو نشانا ہے میرا

میں اُس کی آنکھوں میں اک خواب بن کے اُترا ہوں
زمین اُس کی ہے لیکن زمانا ہے میرا

دلِ حزیں کی روش اُس سے ملتی جُلتی ہے
یہ دوست وہ ہے جو دشمن پُرانا ہے میرا

وہ آدمی ہوں کہ جس کو خدا سے نسبت ہے
نیا نہیں ہے پرانا گھرانا ہے میرا

کوئی غرض نہیں اس سے خوشی ملے نہ ملے
اُسے تو ضد ہے کہ بس دِل دُکھانا ہے میرا

خود اپنے دل میں کہ اُس کی نگاہ میں عنواںؔ
پتا نہیں ہے کہاں اب ٹھکانا ہے میرا

پروفیسر عنوان چشتی

غزل

تعصّب کی فضا میں طعنۂ کردار کیا دیتا
منافق دوستوں کے ہاتھ میں تلوار کیا دیتا

امیرِ شہر تو خُود زرد رُو ہے ایک مدّت سے
جھروکے سے وہ اہلِ شہر کو دیدار کیا دیتا

ہمارے دِن کو جو دیتا نہیں اِک دھوپ کا ٹکڑا
ہماری رات کو وہ چاند کا مینار کیا دیتا

خُود اُس کا سایہ بھی اُس سے گریزاں ہے مصیبت میں
مرا ہم سایہ مجھ کو سایۂ دیوار کیا دیتا

یہ جبرِ شہر ہے عنوآن انساں پر، کہ بچّوں کو
محبت بھی نہ دے پایا تو پھر اقدار کیا دیتا

ڈاکٹر سیّد سجّاد حُسین سجّاد سیّد

ڈاکٹر سید سجّاد حسین، قلمی نام سجّاد سیّد ولد جناب سیّد احمد کی ولادت ۳۰ ستمبر ۱۹۵۰ء کو میرٹھ میں ہوئی۔ آپ نے ایم۔اے۔ ایم۔ایس، اور ایم۔بی۔بی۔ایس کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آج کل آپ ہمالیہ ڈرگ کمپنی نجف گڑھ روڈ دہلی میں منیجر کے اعلا عہدے پر فائز ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں آپ کو شاعری سے دلچسپی پیدا ہوئی اور آپ نے پروفیسر عنوان چشتی کی سرپرستی میں شعر گوئی کا آغاز کیا۔ آپ کا کلام ملک کے رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

مستقل پتا:۔ سی ۔ ۲ گلمُہر ایوی نیو، جامعہ نگر۔ اوکھلا نئی دلّی ۲۵۔

نمونۂ کلام   ڈاکٹر سیّد سجّاد حسین سجّاؔد سیّد

غزل

تجدیدِ رسم و راہ کے امکاں نہیں رہے
اب دل کے زخم جیسے پرافشاں نہیں رہے

بدلا ہُوا مزاجِ محبّت ہے آجکل
قسمیں نہیں رہی ہیں وہ پیماں نہیں رہے

پہلی سی عشق میں بھی وہ شدّت نہیں رہی
اور حسن کے بھی رنگ درخشاں نہیں رہے

یہ آخری ستارا ابھی دم توڑنے کو ہے
شاید اب اُن کے آنے کے امکاں نہیں رہے

سجّاؔدِ دل شکستہ کہیں اور ہی چلیں
اس شہر میں تو اپنے سخن داں نہیں رہے

عبدالصمد خاں شمس تبریزی

عبدالصمد خاں شمس تبریزی ولد جناب عبدالقیوم خاں کی ولادت ۲۳ ستمبر ۱۹۵۷ء کو اٹاوہ (یو پی) میں ہوئی۔ آپ نے اردو اور سیاسیات میں ایم۔ اے کیا۔ ایم اے کے بعد دہلی یونیورسٹی سے اردو میں ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۶ء میں بحیثیت شاعر ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ ۱۹۷۸ء میں ماہنامہ "ناہید ادب" سہارنپور میں آپ کی پہلی تخلیق شائع ہوئی — شاعری کے علاوہ نثر نگاری بھی ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ آپ اردو کے مشہور اخبار "قومی آواز" دہلی سے بھی منسلک رہے ہیں۔ ان دنوں ہریانہ اردو اکادمی سے وابستہ ہیں۔ طالب علمی کے دوران ۱۹۷۷ء میں مضمون نگاری کے مقابلے میں "نثار حسین سلور میڈل" اور ۱۹۸۵ء میں بہترین مزاحیہ مضمون پر دلی یونیورسٹی سے "ہریش چند کٹھپالیا گولڈ میڈل" حاصل کر چکے ہیں۔ راجدھانی کے نوجوان ادیبوں کی ادبی تنظیموں "شناخت" اور "قلم زاد" کے بالترتیب صدر اور سکریٹری بھی رہے اور "ابر احسنی میموریل سوسائٹی" کے لئے بھی سکریٹری کے فرائض ادا کرتے رہے۔ آپ پروفیسر عنوان چشتی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہیں۔ آج کل ہریانہ اردو اکادمی پنچ کولہ میں بہ طور پروگرام اسسٹنٹ مامور ہیں۔

مستقل پتا:۔ ہریانہ اردو اکادمی کوٹھی نمبر ۶۱۰ سیکٹر ۱۶ پنچ کولہ۔ (ہریانہ)

نمونۂ کلام

شمس تبریزی

غزل

جو میری بات کا تجھ تک اثر گیا ہوتا
خدا گواہ ہے چہرا اتر گیا ہوتا

اگر ذرا بھی زمانہ شناس ہوتا میں
مجھے یقین ہے میں بھی نکھر گیا ہوتا

عجیب قسم کی اُبھری تھی شکل لفظوں سے
کتاب بند نہ کرتا تو ڈر گیا ہوتا

یہ سوچتا ہوں کہ تجھ تک رسائی کی خاطر
گرا تھا جب میں فلک سے بکھر گیا ہوتا

یہ آرزو تھی کوئی ہوتا منتظر میرا
تو شام ہوتے ہی دفتر سے گھر گیا ہوتا

شمسؔ تبریزی

منتخب اشعار

سیدھی سی بات ہے جو مجھے جانتا نہیں
میں بھی پھر ایسے شخص کو پہچانتا نہیں

سب خوب صورتی کی جھروکوں میں ہیں، مگر
سِیرت کو صُورتوں سے کوئی چھانتا نہیں

اپنا گھر بھی کوئی آسیب کا گھر لگتا ہے
بند دروازہ جو کُھل جائے تو ڈر لگتا ہے

جس نے جی چاہا اسے لُوٹ کے پامال کیا
اپنا دل بھی ہمیں دلّی کا نگر لگتا ہے

وہ یاد آئے تو اپنا وجود ہی نہ مِلے
نہ یاد آئے تو مجھ کو تھکن زیادہ ہو

ہے جُستجو مجھے اِک ایسے شخص کی یارو
جو خوش مزاج بھی ہو اور دل کا سادہ ہو

شہپر رسول

چودھری وجیہ الدین قلمی نام شہپر رسول، ضلع مراد آباد (اتر پردیش) کے قصبہ بچھراؤں میں ۷ار اکتوبر ۱۹۵۶ء کو پیدا ہوئے۔ آپ مراد آباد کے ممتاز سیاسی رہنما چودھری رئیس الدین دا ڈی ۔ کے صاحب زادے ہیں۔ اردو میں ایم۔ اے کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں۔ ۱۹۶۸ء میں آپ نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز بحیثیت شاعر کیا۔ ابتدا میں وجیہ بچھرایونی کے نام سے لکھتے رہے۔ بعد میں شہپر رسول تخلص اختیار کیا۔ آپ پروفیسر عنوان چشتی کے شاگرد ہیں۔ شہپر رسول کا شمار نئی نسل کے معروف اور مقبول شاعروں میں ہوتا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ادبی سرگرمیوں میں آپ پیش پیش رہتے ہیں۔ مجموعہ کلام "صدف سمندر" ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا ہے۔

مستقل پتا:۔ ۳۹۔ احمد نگر دودھ پور علی گڑھ (یو پی)

غزل

دیارِ شب میں درخشاں سفیر آیا تھا
بجھی جو آگ تو دیکھا کہ تیر آیا تھا

بلا کا شور ہے بستی میں تیرہ بختوں کی
سُنا ہے پھر کوئی روشن ضمیر آیا تھا

ہلاک ہو گیا آ کر خود اپنے لشکر میں
وہ دشمنوں کی صفوں کو تو چیر آیا تھا

جو بچپنے ہی میں سنجیدگی سے جُڑ سا گیا
خدا کے گھر سے وہ کتنا شریر آیا تھا

متاعِ علم و ہُنر کیا کہیں کہاں سے ملی
ہمارے در پہ تو بس اِک فقیر آیا تھا

عمران عظیم

عمران عظیم ولد جناب سعید احمد نیّر کی ولادت ۲۷ر اکتوبر ۱۹۶۱ء کو گنگوہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مقامی اسکول میں پائی بعد میں آپ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی اے اور ایل ایل۔ بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آج کل آپ سہارنپور میں وکالت کر رہے ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں آپ کی پہلی تخلیق "ادب نکھار" متونا نفہ بھنجن میں شائع ہوئی۔ آپ پروفیسر عنوان چشتی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں "بزم محسن" علی گڑھ اور "مجلس علم و ادب" گنگوہ (سہارنپور) کے جنرل سکریٹری ہیں۔ آپ ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۶ء تک "مجلہ محسن" علی گڑھ کے مدیر بھی رہے۔ نئی نسل کے مقبول شعرا میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

مستقل پتا:- نیّر وِلا، گنگوہ (سہارنپور) یو پی۔

نمونۂ کلام

عمران عظیم

غزل

چمکتی صبح کے ہر گنبدِ بے در میں در رکھنا
تمہیں جانا کہاں ہے راستا کیا ہے خبر رکھنا

قصیدے تو صداقت کے پڑھا کرتے ہیں سب لیکن
بہت مشکل ہے سرمد کی طرح ہاتھوں پہ سر رکھنا

یہ دنیا ہے یہاں ہر سانس پر محتاط رہنا ہے
جہاں رہنا وہاں ہستی کو اپنی معتبر رکھنا

تجھے لفظوں سے نسبت ہے معانی سے تعلق ہے
تو پھر لہجے میں بھی دل جیت لینے کا ہنر رکھنا

عظیم آنکھیں کھلی رکھنا۔ بڑی پُر پیچ ہیں راہیں
زمیں پر پیر رکھنا آسماں کی بھی خبر رکھنا
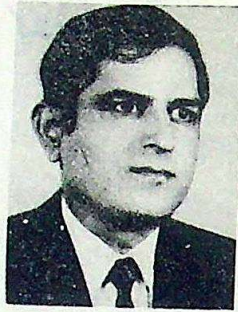
کیلاش چندر نازؔ

کیلاش چندر نازؔ ولادت ۲۲ مارچ ۱۹۲۸ء مظفر گڑھ (پاکستان)۔ آپ کے والد پنڈت سنت رام بتورا مرحوم تحصیلدار تھے۔ نازؔ صاحب نے علم سیاست میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ آج کل ریزرو بنک بمبئی میں بہ طور آفیسر مامور ہیں۔ ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۵۶ء میں روزنامہ "تیج" نئی دلّی میں ایک مضمون کی اشاعت سے ہوا۔ بزمِ اردو ریزرو بنک بمبئی شاخ کے نائب صدر اور ماہنامہ "بزمِ فکر وفن" بمبئی کے اعزازی مدیر ہیں۔ "آئینۂ خیال" "لعل وگہر"۔ "نذرِ ابرؔ"۔ "شعر اور شاعر" اردو کے ہندو شاعر" ان کتابوں میں آپ کا کلام اور سوانح حیات شامل ہیں۔ آپ قبلہ ابرؔ احسنی کے دامنِ فیض سے وابستہ رہے۔ اور کُل ہند بزمِ ابرؔ کے سکریٹری ہیں۔

مستقل پتا۔ معرفت سودرشن کمار۔ ڈی۔ ۵۴۔ اسٹیٹ بنک کالونی۔ جی۔ ٹی کرنال روڈ دلّی ۱۱۰۰۰۹۔

غزل

کسی کے پیار کا جس زندگی پہ سایا ہے
اُسی کو اپنا ہر اِک غم بھی راس آیا ہے

یہ کیا سِتم ہے کہ ہر آرزو کا تاج محل
وہی گراتا ہے جس نے اُسے بنایا ہے

اسے جفائے مسلسل نے زندگی بخشی
مریضِ غم کو کرم نے کہاں جلایا ہے

کبھی خموشیِ جذبات بن گئی ہے غزل
کبھی سکوتِ اَلم گیت بن کے آیا ہے

اُسے تو مٹنا تھا تم اپنے سر نہ لو الزام
خود اپنے نازؔ کو تم نے کہاں مٹایا ہے

کیلاش چندر ناز

غزل

گیتوں میں مرے سوزِ لطافت کے لیے آ
نغموں میں سماعت کی حلاوت کے لیے آ

دو پل سہی تجدیدِ رفاقت کے لیے آ
مل مل کے بچھڑنے کی روایت کے لیے آ

یہ تیرے لیے باعثِ تشہیر نہیں ہیں
تو میری وفاؤں کی شکایت کے لیے آ

جس میں ہو خوشی تیری وہی تجھ کو مُبارک
دُنیا کے لیے جانِ محبّت کے لیے آ

پھر ایسا ستم کر کہ کرم ہی کا یقیں ہو
آ پھر کسی بھرپور عنایت کے لیے آ

جو نازؔ کی پلکوں پہ دُعا بن کے رُکے ہیں
اُن پاک ستاروں کی حفاظت کے لیے آ

رائے زادہ

گوری نندن سنگھ بالی عابدؔ مناوری

رائزادہ گوری نندن سنگھ بالی نام، عابدؔ مناوری تخلص، ۲ مئی ۱۹۳۸ کو جناب رائزادہ برکت رائے بالی کے یہاں جموں میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی اسکول میں پائی بعد میں میٹرک اور سینیر اکاؤنٹس کورس II پاس کیا اور محکمہ حسابات جموں میں ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ آپ کی ادبی زندگی کی ابتدا ۱۹۵۸ء میں ہوئی ۱۹۵۹ء میں بیسویں صدی کے شمارہ اگست میں پہلی غزل چھپی۔ آپ جوشؔ ملسیانی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں۔ "بزم ادب" اور "بزم فروغ اردو" جموں اور ریاستی کلچرل اکادمی کی اردو کمیٹی کے ممبر ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں "بہار غزل" ۱۹۶۷ء میں "شمیم گل" اور ۱۹۸۴ء میں "برجستہ" کلام کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جنھیں ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ تینوں ہی شعری مجموعوں پر ریاستی کلچرل اکادمی سے انعامات ملے ہیں۔ ادبی رسائل و جرائد میں کلام چھپتا رہتا ہے۔

پتا:- اے ۱۶۱ گاندھی نگر جموں ۱۸۰۰۰۴۔

نمونۂ کلام عابد مناوری

غزل

سچ تو یہ ہے پہلے بھی وعدہ نبھایا کون سا
آج لیکن وہ بنائے گا بہانا کون سا

کہکشاں در کہکشاں کب سے ہوں محوِ جستجو
ان میں ہے میرے مقدّر کا ستارا کون سا

تذکرہ گوتم کا ہو یا بھرتری کی داستاں
جو نہیں منسوب مجھ سے وہ ہے قصّا کون سا

نیل گوں آکاش کی اُجلی فضا کو دیکھ کر
پھڑپھڑاتا ہے مرے اندر پرندا کون سا

ساغرِ زہراب پینا ہی پڑا سقراط کو
میں نے بھی سچ بول کر انعام پایا کون سا

آپ اپنا سامنا کرتے ہوئے ڈرتا ہوں کیوں
مجھ سے سرزد ہو گیا ہے جرم ایسا کون سا

کیوں نہ اے عابد بھنور کی گود میں سو جاؤں میں
پار کرنا ہے مجھے اب اور دریا کون سا

عابد مناوری

غزل

جب آسمان پر مہ و اختر پلٹ کر آئے
ہم رُخ پہ دِن کی دُھوپ لیے گھر پلٹ کر آئے

نظّارہ جن کا باعثِ زخمِ نگاہ تھا
آنکھوں کے سامنے وہی منظر پلٹ کر آئے

جو بات گفتنی تھی وہی اَن کہی رہی
بے رس جو تذکرے تھے زباں پر پلٹ کر آئے

دُنیا سے ہو گئے نہ ہوں آزُردہ دِل کہیں
پھر اس زمین پر نہ پیمبر پلٹ کر آئے

صد رشکِ التفات تھا جب اُس کا جور بھی
جی کیوں نہ چاہے پھر وہ ستمگر پلٹ کر آئے

اے عابد! آسماں پہ نہ کچھ بھی اثر ہُوا
مجھ پر ہی میری آہ کے پتھر پلٹ کر آئے

حضور الحسن حضورؔ سہسوانی

حضور الحسن حضورؔ خلف جناب نذر الحسن رازؔ احسنی یکم جنوری ۱۹۴۷ء کو بمقام سہسوان ضلع بدایوں میں تولّد ہوئے۔ آپ نے ہائی اسکول اور ادیب ماہر کے امتحانات پاس کئے اور وثیقہ نویسی کو ذریعہ معاش بنایا۔ شاعری کا ذوق اپنے پدرِ بزرگوار جناب رازؔ احسنی سے ورثہ میں ملا۔ ۱۹۶۵ء میں ماہنامہ "شعلہ و شبنم" دہلی میں آپ کی پہلی تخلیق شائع ہوئی۔ حضورؔ صاحب کا رشتۂ تلمذ علامہ عصر حضرت جوشؔ ملسیانی سے ہے۔ آپ انجمن ترقی اردو سہسوان کے صدر اور صوبائی شاخ کی کونسل کے ممبر بھی ہیں۔ مشاعرہ کمیٹی سہسوان اور اردو ماڈل اسکول کے سکریٹری ہیں۔ ملک کے ادبی رسائل و جرائد میں کلام چھپتا رہتا ہے۔ تہذیبی و ثقافتی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اتحاد کمیٹی سہسوان کے صدر رہیں۔

مستقل پتا:۔ راز منزل چودھری محلہ۔ قصبہ سہسوان (بدایوں۔ یو پی)

نمونۂ کلام

حضور الحسن حضور
سہسوانی

غزل

کردار کا حسین ورق چھوڑ جاؤں گا
مر کر بھی زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا

کانٹوں کو اپنے پیار کی سوغات بخش کر
پھولوں کی زندگی میں قلق چھوڑ جاؤں گا

پھیکا نہ رنگ جس کا پڑے بعدِ مرگ بھی
لوگوں میں پیار کی وہ شفق چھوڑ جاؤں گا

ایثار کی فضاؤں میں خوشبو بکھیر کر
جینے کا زندگی کو میں حق چھوڑ جاؤں گا

کیا ہوں مَیں اے حضورؔ سمجھ میں نہ آسکا
ایسا کوئی سوال اَدَق چھوڑ جاؤں گا

حضور الحسن حضور سہسوانی

خود کو احساس کی بھٹی میں تپاؤ، لوگو
پھر مرے ظرف کا اندازہ لگاؤ، لوگو

میرے ہونٹوں پہ صداقت کے سوا کچھ بھی نہیں
مصلحت کا نہ مجھے زہر پلاؤ، لوگو

عشق ہے مجھ کو کسی سے یہ حقیقت ہے مگر
اس حقیقت کو نہ افسانہ بناؤ، لوگو

میں نے کب تم سے کیا ہے غمِ جاناں کا گلہ
مجھ پہ یہ تہمتِ بے جا نہ لگاؤ، لوگو

شہود عالم آفاقی شہود

شہود عالم آفاقی شہود خلف جناب عبدالشکور کی ولادت ۱۹۴۷ء میں دسنہ ضلع نالندہ (پٹنہ)
میں ہوئی۔ اردو۔ ہندی۔ انگریزی۔ فارسی کی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ
نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور تجارت سے منسلک ہو گئے۔ آج کل آپ کلکتہ
میں تجارت کر رہے ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں پہلی تخلیق "اجالا" کلکتہ میں شائع ہوئی۔ شاعری
کے علاوہ آپ نثری مضامین بھی لکھتے ہیں۔ وکیل اختر مرحوم پر مضامین کا مجموعہ اختر
ثاقب کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ ادبی رسالے ماہنامہ "شہود" کے ایڈیٹر
ہیں۔ "انجمن ترقی اردو ہند" کی مغربی بنگال کی شاخ کے ممبر، بزم ادب، "بزم احسن"
"بزم ابر" اور ادارہ "لوح و قلم" کے فعال رکن ہیں۔ رسائل و جرائد میں کلام
چھپتا رہتا ہے۔ حضرت ابر احسنی کے معروف تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔
مستقل پتا:۔ اے ۸۳/ بلگچھیا روڈ۔ کلکتہ ۳۷۔

غزل

پہچان کی حدود سے باہر نہیں ہوں میں
لیکن ہر آدمی کو میسّر نہیں ہوں میں

اپنا خیال اپنی نظر میرے پاس ہے
یعنی کسی کے ہاتھ کا پتھر نہیں ہوں میں

آئے تو اِس طرف کبھی سورج کی روشنی
دروازہ جس کا بند ہے وہ گھر نہیں ہوں میں

شرمندہ ہو رہے ہیں وہ مجھ کو کھنگال کے
میں اُن سے کہہ رہا تھا سمندر نہیں ہوں میں

قد میرا ناپنے کی نہ زحمت اٹھائیے
اِس شہر میں کسی کے برابر نہیں ہوں میں

لوگ آ آ کے سازش رچا جائیں گے
اور الزام سب میرے سر آئیں گے

مجھ سے اِک روز منسُوب ہو جائیے
شہر میں آپ مشہور ہو جائیں گے

کم سے کم ہم کو چھوٹا سمجھ لیجئے
ورنہ کیسے بڑے آپ کہلائیں گے

اِک ذرا راستے سے بھٹک جائیے
سینکڑوں رہنما سامنے آئیں گے

اندھا اندھے کو رستہ بتانے لگا
اے خدا آنکھ والے کہاں جائیں گے
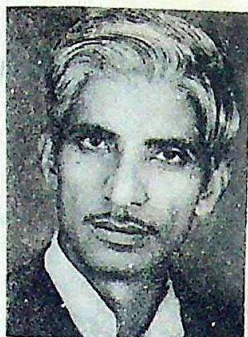
رفیق احمد سرور نگینوی

رفیق احمد سرور نگینوی خلف جناب عبدالرشید کی ولادت نومبر ۱۹۴۶ء میں کوٹرہ نگینہ ضلع بجنور (یوپی) میں ہوئی۔ اردو فارسی کی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے ادیب ماہر کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۰ء میں شاعری کی طرف مائل ہوئے اور ۱۹۶۲ء میں "صبح نو" پٹنہ میں آپ کی پہلی تخلیق شائع ہوئی۔ آپ علامہ ابرؔ احسنی گنوری کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں۔ راجدھانی دلّی کی ادبی سرگرمیوں میں مستقل حصّہ لیتے رہتے ہیں۔ ان دنوں آپ خوریجی دہلی میں بیکری کا کاروبار کر رہے ہیں۔

مستقل پتا:- امر بیکری۔ اے۔ ۱۵۷، خوریجی، دہلی۔ ۵۱

نمونۂ کلام — رفیق احمد سرور رنگینوی

منتخب اشعار

ہم قاتلانِ شہر کی پہچان کیا کریں
قاتل ہر ایک آنکھ کو پتھر بنا گیا

وہ نقش آج بھی تو چمکتے ہیں وقتِ شب
صحرا میں آبلوں سے جو سرور بنا گیا

مجھ کو صلیبِ وقت پہ لٹکا دیا مگر
تاریخِ کائینات پہ بکھرا ہوا ہوں میں

زخموں کی تیز آگ جلائے گی کیا مجھے
چنگاریوں میں کھیل کے شعلہ ہوا ہوں میں

کیوں ایک زاویہ سے مجھے دیکھتے ہیں لوگ
سرور ہزار رنگوں میں بکھرا ہوا ہوں میں
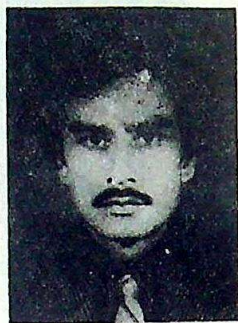
قاضی محمد رئیس الدین انصاری رئیسؔ

قاضی محمد رئیس الدین رئیسؔ کی ولادت ۲؍جون ۱۹۴۸ء کو علی گڑھ میں قاضی محمد ظہیر الدین انصاری مرحوم کے یہاں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے میٹرک پاس کیا اور ملازمت سے وابستہ ہو گئے ان دنوں آپ اکاؤنٹنٹ کے عہدے پر فائز ہیں۔ شاعری کا شوق اوائل عمری سے ہی تھا۔ باقاعدہ آغاز غزل گوئی سے ۱۹۷۲ء میں ہوا۔ آپ جمنا پرشاد راہیؔ کے حلقہ تلمذ میں شامل ہیں۔ پہلی غزل ماہنامہ "ادب نکھار" متوناتھ بھنجن میں شائع ہوئی۔ علی گڑھ کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصّہ لیتے رہتے ہیں اور "شعرستان" علیگڑھ کے جنرل سکریٹری ہیں۔

مستقل پتا:۔ ۱۰/۷۲۵ دہلی گیٹ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱۔

نمونۂ کلام

قاضی محمد رئیس الدین انصاری رئیسؔ

غزل
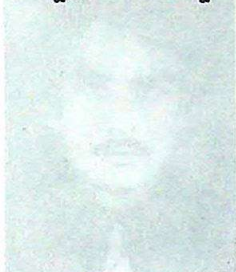
کس نام سے مہکے گی فضا، مَیں نہیں کہتا
کیا مجھ سے ہواؤں نے کہا مَیں نہیں کہتا

دولت نہ سہی رزقِ انا تو ہے مرے پاس
دنیا کے خداؤں کو خدا مَیں نہیں کہتا

اِک ربطِ مسلسل ہے خدا اور بشر میں
بکھرے ہوئے لفظوں کو دُعا مَیں نہیں کہتا

خُوشبُو مرے لفظوں سے نکل آئی ہے لیکن
رِشتہ ہے کسی گُل سے مرا مَیں نہیں کہتا

جب ٹوٹ بکھرتا ہوں رئیسؔ اپنے ہی گھر میں
باہر کی وباؤں کو بلا مَیں نہیں کہتا
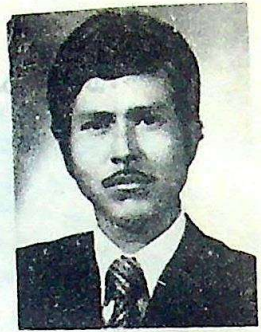
محمد سمیع اللہ سحرؔ

محمد سمیع اللہ سحرؔ کی ولادت ۵ مارچ ۱۹۵۲ کو کلکتہ میں جناب عبدالستار مرحوم کے یہاں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے ہائر سکنڈری کا امتحان ۶۸ء میں پاس کیا اور اسی برس آپ کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ آپ کی پہلی تخلیق ہفتہ وار "آرزوہند" کلکتہ شمارہ ۱۲ جون ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی۔ آپ کو علامہ ابرؔ احسنی گنوری سے شرفِ تلمذ ہے۔ "بزم مشہود" کلکتہ کے بانی ہیں اور متعدد مقامی ادبی تنظیموں سے وابستہ ہیں۔ گھریلو صنعت کاری کی تجارت سے منسلک ہیں۔

مستقل پتا:۔ ۸۲/ جے۔ کے گھوش روڈ بیلگچھیا، کلکتہ ۷۰۰۰۳۷۔

نمونۂ کلام

محمد سمیع اللہ سحر

غزل

چاروں طرف حیات کا منظر دھواں دھواں
اندر دھواں دھواں ہے تو باہر دھواں دھواں

ویسے تو میرے شہر کو ہے روشنی پہ ناز
لیکن دکھائی دیتا ہے اکثر دھواں دھواں

ہر شہر میں ہے ماہ وشوں پر غموں کی دھوپ
ہر گانو میں ہے بچوں کا لشکر دھواں دھواں

خونِ جگر سے رکھتا ہے روشن وہ شمعِ جاں
پھر بھی ہے اس کا فکرِ منوّر دھواں دھواں

قسمت کی ظلمتوں سے گلہ کیا مجھے سحر
جب میرے شہر کا ہے مقدّر دھواں دھواں

محمد اسلم ۔ اسلم حنیف

محمد اسلم ، اسلم حنیفؔ کی ولادت ۳ جنوری ۱۹۵۵ء کو گنوّر میں ڈاکٹر عبدالقیوم مرحوم کے یہاں ہوئی ۔ آپ نے آگرہ یونیورسٹی سے اردو میں ایم ۔ اے کیا شاعری کا شوق بچپن سے تھا مگر باقاعدہ شاعری ۱۹۷۷ء میں شروع کی ۔ آپ کا پہلا تنقیدی مضمون "انفرادیت کی تفہیم" ماہنامہ شاعر بمبئی ۱۹۸۴ء کے دوسرے شمارے میں شائع ہوا ۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے طبابت کا پیشہ اختیار کیا ۔ آپ جناب رمزؔ آفاقی گنوّری کے دامنِ فیض سے وابستہ ہیں ۔ آپ کا کلام ملک کے معتبر رسائل میں چھپتا رہتا ہے ۔ مضامین بھی لکھتے ہیں ۔

مستقل پتا : قصبہ گنوّر ضلع بدایوں ۔ یو ۔ پی ۲۰۲۵۲۲

غزل

وہ قید ابھی جسم کی حد میں ہے
زندہ ہے مگر دفن لحد میں ہے

بکھرا تو بدل جائے گا طوفاں میں
جو درد ابھی درد کی حد میں ہے

کیوں ضد میں اُجالوں کی نکلتا ہے
اک سایہ جو مضمر مرے قد میں ہے

محصور ہیں سب، ابجد و ہوّز میں
بکھری ہوئی ہر ذات عدد میں ہے

ظلمت کدۂ دل میں رکھو اسلمؔ
اِک دیپ جو تابندہ خرد میں ہے

فہرست مآخذ

۱۔ مہتاب داغ ۔ شائع کردہ مجلس ترقی ادب ۔ کلب روڈ ۔ لاہور
مقدمہ از کلب علی خاں فائق ۔ انتقاد از سید عابد علی عابد

۲۔ مطالعۂ داغ ۔ ڈاکٹر سید محمد علی زیدی ۔ مطبوعہ ۱۹۷۴ء

۳۔ ابھینندن گرنتھ جوش ملسیانی ۔ مطبوعہ ۱۹۵۷ء

۴۔ داغ دہلوی (حیات اور کارنامے) شائع کردہ اردو اکادمی، دہلی ۱۹۸۶ء

۵۔ داغ نمبر رسالہ نگار لکھنؤ ۔ مطبوعہ ۱۹۵۳ء

۶۔ داغ کے اہم تلامذہ ۔ جناب اسعد بدایونی ۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ
مطبوعہ ۱۹۸۶ء

۷۔ سخن پارے ۔ مرتبہ الحاج اعجاز وارثی و ظفر سنبھلی مطبوعہ ۱۹۸۵ء

۸۔ ترجمہ اُردو "جپ جی صاحب" دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۸۶ء

۹۔ خطوط و اوراق بیاض سردار گنڈا سنگھ مشرقی

۱۰۔ ہماری زبان ۔ نئی دہلی ۔ شمارہ ۲۲ر اگست ۱۹۸۶ء

۱۱۔ ماہنامہ آج کل ۔ نئی دلّی ۔ شمارہ دسمبر ۱۹۶۶ء اور دسمبر ۱۹۸۵ء

۱۲۔ قومی آواز ۔ نئی دہلی ۔ ۳ر جنوری ۱۹۸۸ء

ساحر ہوشیارپوری